مجلہ

ھمجیال

[illegible]

رَبِّ زِدْنِی عِلْماً

اب کے جو اجماع ہو ایک خیال پر — سب کی نظر آ کے رکی ہم خیال پر

سووینئر

ہمخیال

۸۵-۱۹۸۴ء

مجلس ادارت

مدیر:

نوید اظہر

معاونین:

الطاف اقبال — محمد سہیل جیلانی — محمد سہیل ذکائی — اقبال احمد

فرینڈز سرکل (رجسٹرڈ) کراچی

Scanned with CamScanner

آج کا دِن محنت کے ثمر کا دِن ہے

طلباء و طالبات کیلئے خوشیوں کا دِن ہے

ہمیں جمیعت حکیمان (دہلی) کے اُن طلباء و طالبات پر فخر ہے

جنہوں نے اپنے اِمتحانات میں نمایاں کامیابی

حاصِل کی۔

ہم انہیں دِلی مُبارکباد

پیش کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ انہیں اِس سے بہتر کامیابیاں عطا فرمائے (آمین)

منجانب:۔

اراکین فرینڈز سرکل

Scanned with CamScanner
CamScanner

مہمانِ خصوصی

زُہیر اکرم ندیم

صُوبائی وزیر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن و فشریز

ممبر صوبائی اسمبلی اور کونسلر بلدیہ کراچی

Scanned with CamScanner
CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Off : 510294 - 526010
Res : 415620

Zubair Akram Nadeem

MINISTER
EXCISE & TAXATION AND FISHERIES,
SIND

Karachi————————198

پیغام

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ فرینڈز سرکل کی جانب سے طلبا و طالبات کی علمی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے عملی کوششیں جاری ہیں۔ امتحانات میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے والے طالبعلموں میں انعامات کی تقسیم ذوقِ علم کے ساتھ ساتھ مطالعہ کی لگن اور جذبہ کو اُبھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

تمام طالبعلموں کو یہ میرا پیغام ہے کہ وہ اپنا وقت با مقصد اور جدید تعلیم کے حصول پر لگائیں اور اسلامی اُصولوں سے نہ صرف واقفیت حاصل کریں بلکہ ان پر عمل بھی کریں۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ ملک و قوم کی ترقی کی ضمانت صِرف اِسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

فرینڈز سرکل کی زیرِ سرپرستی شائع ہونیوالے سووینیر میں پیغام دیتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ اِس اِدارے کی تعلیمی میدانوں میں خدمات قابلِ ستائش ہیں۔

میں صدر اور اراکینِ مجلسِ منتظمہ فرینڈز سرکل کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دُعا گو ہوں کہ ان کی مساعی کامیاب ہوں۔

آمین

زُھیر اکرم ندیم
صُوبائی وزیر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن و فشریز
ممبر صُوبائی اسمبلی اور کونسلر بلدیہ کراچی

Scanned with CamScanner

پیغام

فرینڈز سرکل کراچی جمعیت حکیمانِ دہلی کا سب سے زیادہ فعّال ادارہ ہے اور جمعیّت کے افراد کو ایک پلیٹ فارم مُہیّا کرتا ہے۔ جہاں اراکین فرینڈز سرکل کو اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

الحمدللہ فرینڈز سرکل کو قائم ہوئے تیس سال سے زائد ہو چکے ہیں۔ ہر آنے والا سال گواہ ہے کہ فرینڈز سرکل کی مجلسِ منتظمہ نے اپنے اراکین کی معاونت کے ساتھ خدا کی مدد سے بہتر سے بہتر تعلیمی، ادبی اور کھیلوں کے پروگرام پیش کئے ہیں۔ اور اِس بات کی کوشش کی ہے کہ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے برادری کے نوجوانوں کو اپنی صلاحیتیں اُبھارنے کے لئے بہترین مواقع فراہم کئے جائیں اور اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتے۔

آج کی اِس تقریب کو سجانے اور منانے میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔ یہ تقریب جو بزمِ طلباء کے نام سے موسوم ہے، طلباء وطالبات، کھیلوں کے مقابلوں میں اور دیگر ادبی مقابلوں میں حصّہ لینے والے اراکین کے اعزاز میں اُن کی کامیابی پر طلائی تمغہ اور دیگر انعامات دینے کے لئے منعقد کی گئی ہے۔

فرینڈز سرکل کی، بزمِ طلباء میں تقریبِ تقسیمِ طلائی تمغہ، انعامات اور امتیازی، اسناد کے موقع پر میں، کامیاب طلباء اور طالبات کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکو عملی میدان میں بھی ایسی ہی کامیابیاں عطا فرمائے (آمین) کھیلوں کے مقابلوں اورادبی مقابلوں میں انعامات حاصل کرنے والے کامیاب اراکین فرینڈز سرکل کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

عزیز طلباء طالبات کسی بھی کامیابی کو حقیقی کامیابی بنانے کے لئے محنت اور دیانتداری شرط ہے۔ اگر آپ نے ان چیزوں کو اپنا شعار بنالیا تو آپ ایسی کامیابی حاصل کریں گے کہ اس سے نہ صرف مالی منفعت بلکہ آپ کو روحانی اور قلبی سکون بھی حاصل ہوگا۔

انسانی خدمت کو اپنا شعار بنائیے اور کوئی بھی پیشہ منتخب کریں اُس میں اسلام کے اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اور اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے ہوئے انسانیت کی خدمت کریں گے تو آپ یقیناً حقیقی مسرّت محسوس کریں گے۔ انسان کی عظمت اس کی محنت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محنت کا صحیح رُخ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) مجلّہ "ہم خیال" آپ کے ہاتھوں میں ہے جسے شب و روز محنت کرکے سجایا اور بنایا گیا ہے۔ اِس مجلہ میں نہ صرف یہ کہ فرینڈز سرکل کی سال بھر کی مصروفیات کا ریکارڈ ہے۔ بلکہ صاف ستھرے مضامین اچھی غزلیں، افسانے اور دیگر ادبی شہ پارے دیئے گئے ہیں۔ اور قارئین کی دلچسپی کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ اُمید ہے قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

مجلسِ ادارت۔ اراکینِ مجلس منتظمہ۔ ممبران فرینڈز سرکل۔ اہلِ قلم حضرات اور دیگر معاونین مُبارکباد کے مستحق ہیں اور میں اِن سب حضرات کا ممنون ہوں کہ ان کی کاوشوں سے یہ مجلّہ تکمیل تک پہنچا اور آج کی یہ تقریب منعقد ہوئی۔
حاضرینِ محفل کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ والسّلام

شجاع الدّین
صدر فرینڈز سرکل

اظہارِ تشکّر

نوید اطہر
مدیرہ و نگرانِ اعلیٰ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کے نظر کہاں

تعریف اس ربِ کائنات کی جس نے ہمیں اور آپ سب کو پیدا کیا اور عظمت بخشی! شکر ہے خداوند کریم کا جس نے ہمیں یہ مجلّہ آپ تک پہنچانے کی ہمت و استقامت نصیب فرمائی۔

قابلِ مبارکباد ہیں وہ طلبا اور طالبات جنہوں نے آج کی محفل "طلباء پارٹی" میں گولڈ میڈل، سلور میڈل اور دیگر دوسرے انعامات حاصل کئے۔

قابلِ مبارکباد ہیں وہ اہلِ قلم جن کی نگارشات سے ہم خیال کا وجود نکھر آیا۔

آفرین ہے اُن اشخاص پر جن کی کاوشوں سے اس مجلّہ کی رونمائی ہوئی۔

قابلِ معافی ہیں اگر ہم سے اس مجلّہ میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوگئی ہو۔ جو کہ سراسر ہماری ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہے میں معترف ہوں! اگر اہلِ قلم حضرات اپنی نگارشات سے "ہم خیال" کو نہ نوازتے ـــــ مشتہرین و معطی حضرات معاونت نہ فرماتے ـــــ اور مدیران کی انتھک محنت کا دخل نہ ہوتا تو یہ مجلّہ شائع ہونا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

یہ مجلّہ "ہم خیال" جو آپ حضرات تک پہنچا ہے۔ یہ کسی ایک شخص کی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی تیاری اور ترتیب میں تمام مدیران کی سعیٔ مسلسل کے علاوہ دوسرے رفقاء کی معاونت اور ممبران مجلسِ منتظمہ کی کاوشوں کا ثمر ہے۔ اُن لوگوں کی محنت قابلِ تحسین ہے۔ ہم نے اپنی کمزور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مجلّہ "ہم خیال" کو بہتر بنا کر پیش کرنے کی سعی کی ہے اور اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ یہ آپ کا حقیقی معنوں میں "ہم خیال" ثابت ہو۔ پچھلی روایات اور انداز ہم کس حد تک برقرار رکھ سکے ہیں اور ہم اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے یہ فیصلہ آپ پر ہے۔

گلدستہ "ہم خیال" کو ہم نے اپنی تمام تر کوششوں کے ساتھ حسین پھولوں، کلیوں اور شگوفوں سے سجایا ہے۔ اس میں تصوف بھی ہے ـــــ جدّت بھی ـــــ اس میں ادب کے سنجیدہ موضوعات بھی ملیں گے ـــــ ہلکا پھلکا طنز بھی ـــــ معاشیات بھی اور مذہب بھی

بہرحال تفصیلی تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے اور آپ کے خیالات "ہم خیال" میں موجود ہیں۔

Scanned with CamScanner

مجلسِ ادارت

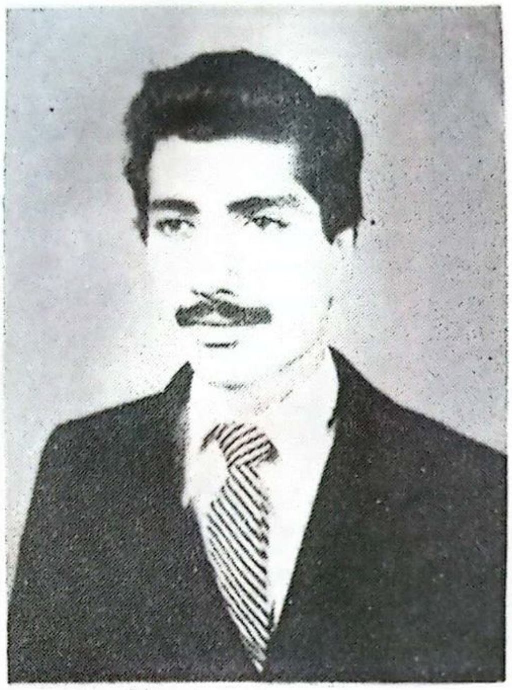

نوید اطہر

مدیر نگرانِ اعلیٰ

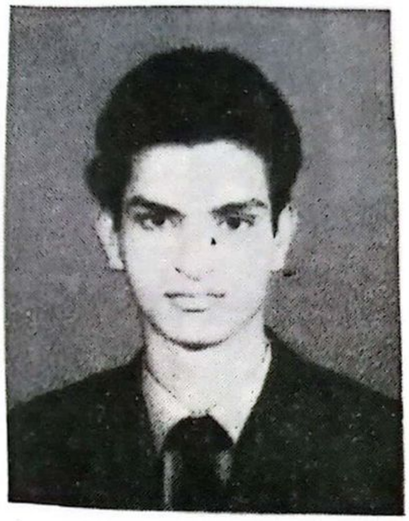

محمد سہیل جیلانی

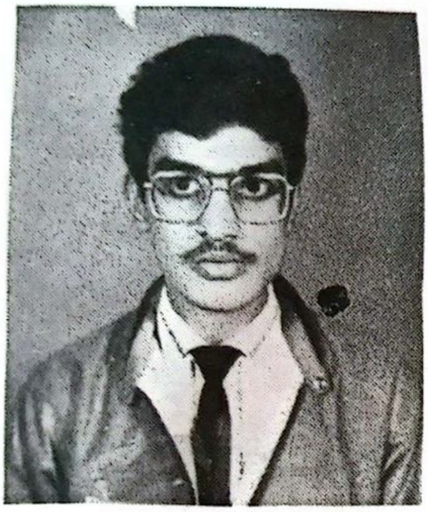

الطاف اقبال

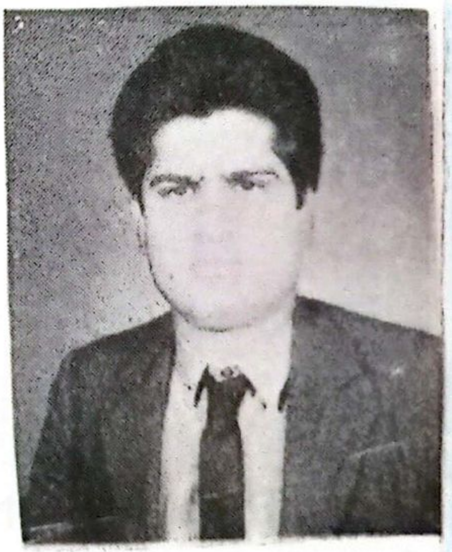

اقبال احمد

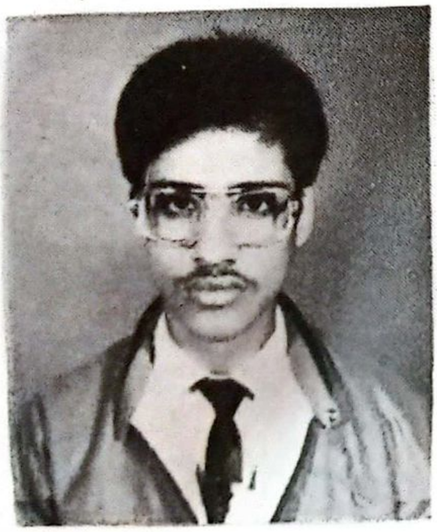

محمد سہیل ذکائی

Scanned with CamScanner CamScanner

مجلسِ منتظمہ فرینڈز سرکل

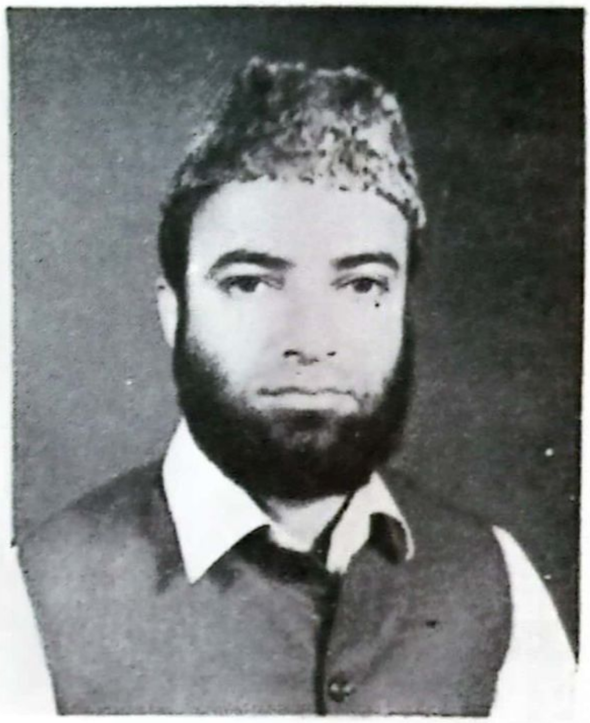

شجاع الدین رومی

صدر

پرویز اشرف

نائب صدر

نسیم الدین

جنرل سیکریٹری

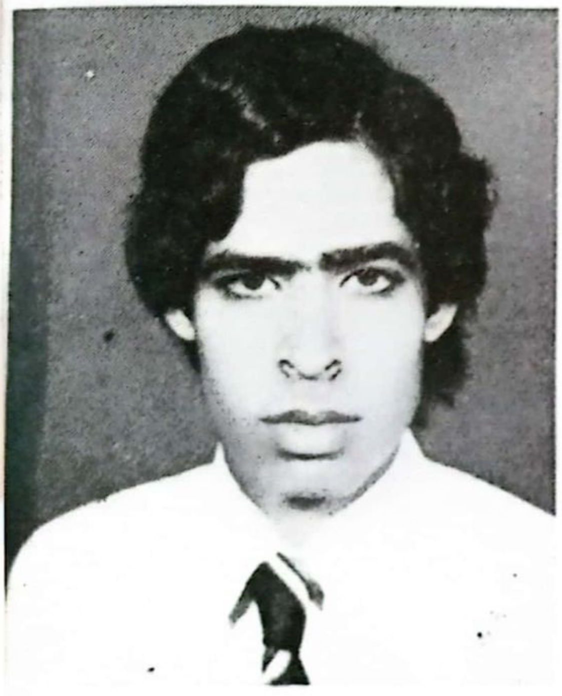

محمد متین۔

فنانس سکریٹری

Scanned with CamScanner

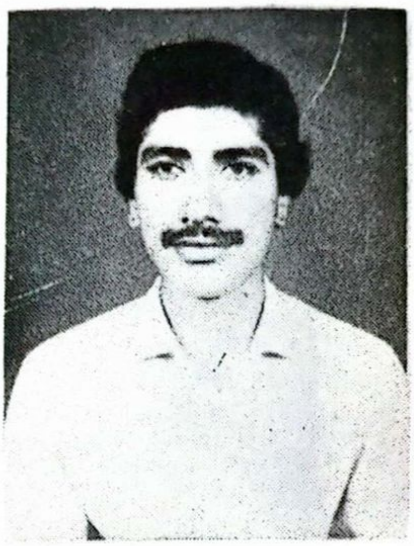

نوید اطہر
لٹریری سکریٹری

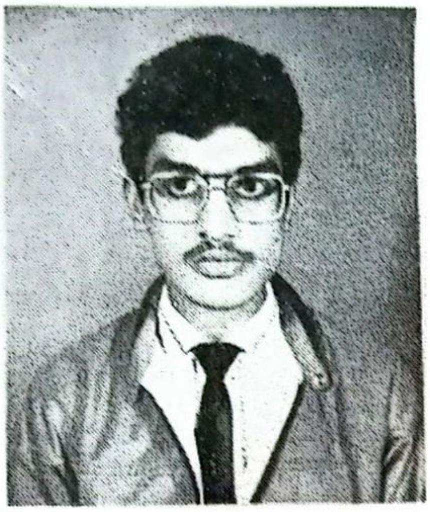

الطاف اقبال
جوائنٹ سکریٹری

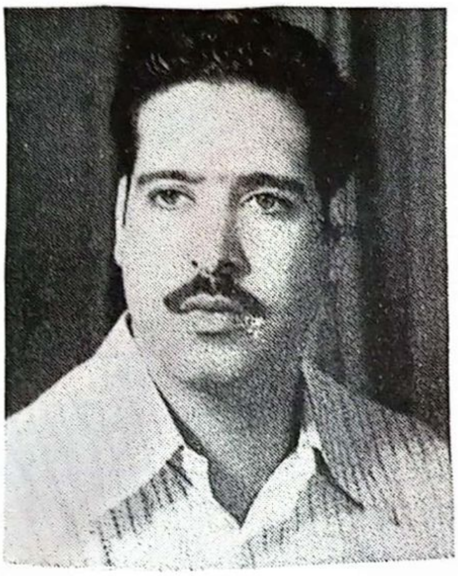

محمد یوسف ۔ سوشل سکریٹری

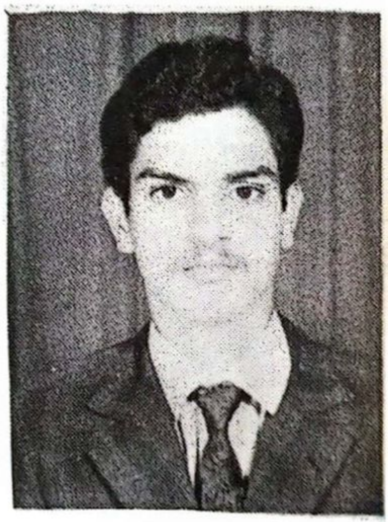

محمد سہیل جیلانی
پروپیگنڈا سکریٹری

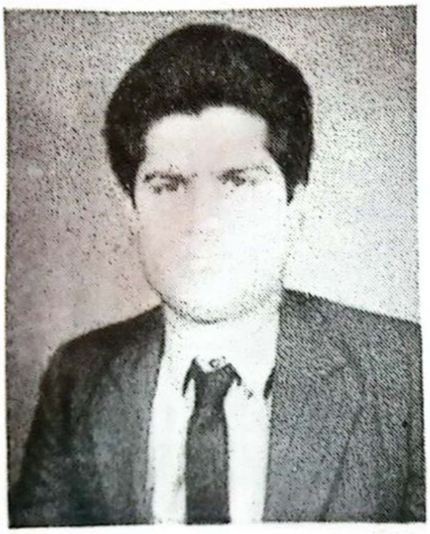

اقبال احمد
اسپورٹس سکریٹری

Scanned with CamScanner

استقبالیہ کمیٹی

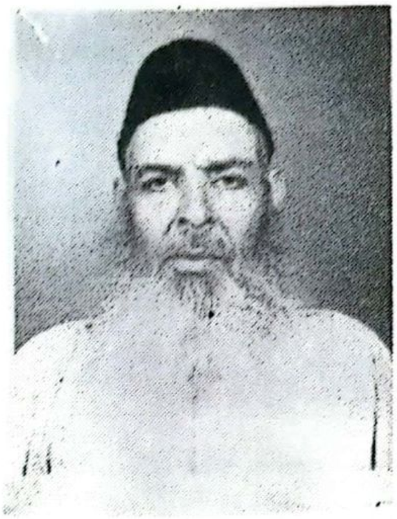

جناب حاجی حبیب احمد صاحب

جناب محمد حنیف صاحب

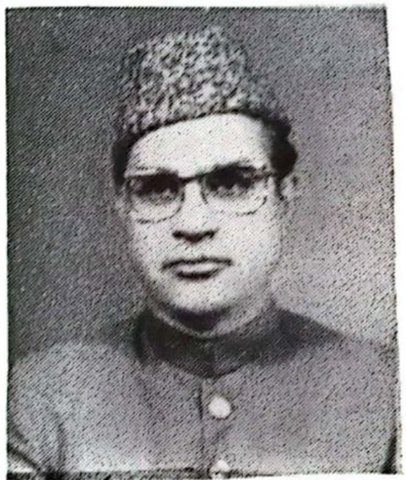

جناب عبدالخالق ذکائی صاحب

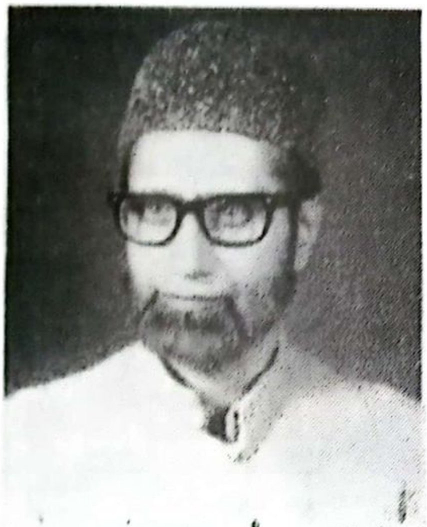

منظور حسین صاحب

جناب محمد مبین صاحب

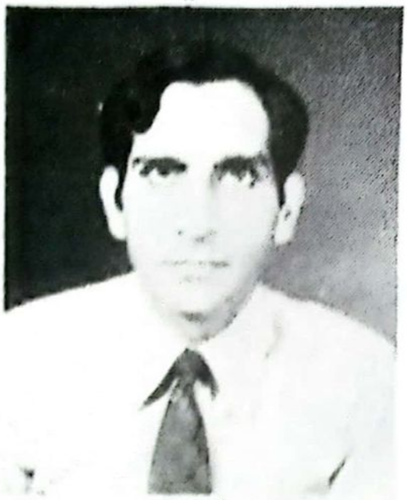

سلطان احمد شیخ

Scanned with CamScanner

جناب امیر حسن جیلانی صاحب

جواد حسین صاحب

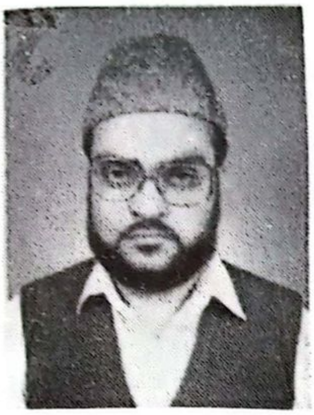
جناب مختار احمد شیخ صاحب

اِنعام الدین ء

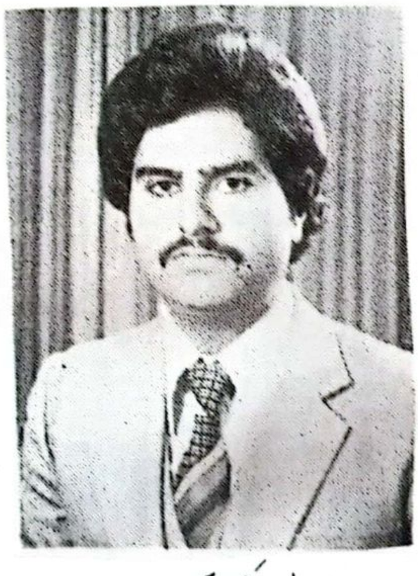
سلیم احمد۔

جاوید اقبال بقائی

Scanned with CamScanner

تمغات حاصل کرنیوالے طلباء وطالبات

اِرم حنیف - گولڈ میڈلسٹ

جنہوں نے سینئر کیمبرج (مساوی میٹرک) امتحان آٹھ پوائنٹ (= ۸۹ فیصد نمبر) حاصل کرکے پاس کیا اور سینٹ جوزف اسکول کی کیمبرج طالبات میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ آپ نے اسی سال جون ۸۴ء میں لندن یونیورسٹی کے جی سی ای۔ "O" لیول امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اب آپ ایچ ایس سی "A" لیول (مساوی انٹرسائنس) میں زیر تعلیم ہیں۔

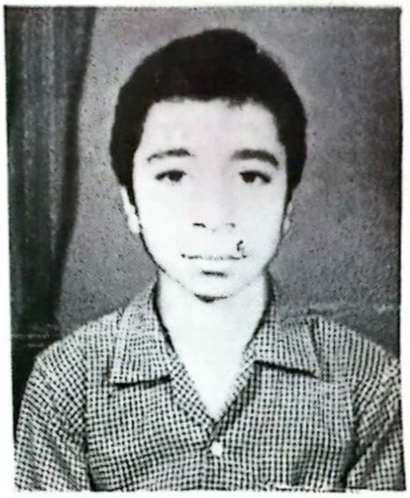

اَرسلان مبینؔ

سلور میڈلسٹ دوسری پوزیشن ۸۴٫۵۸ فیصد

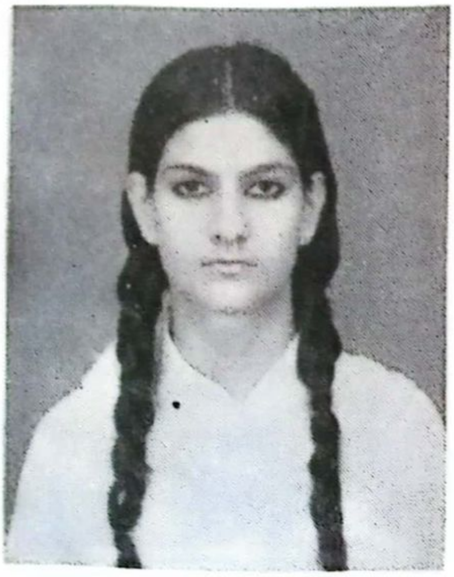

فائزہ ناز شفیق

سلور میڈلسٹ - تیسری پوزیشن ۷۶٫۶ فیصد

Scanned with CamScanner CamScanner

خصوصی انعامات برائے میٹرک

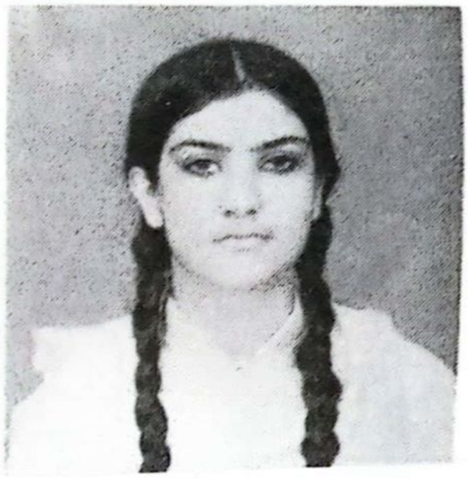

رضوانہ ناز شفیق

75.5%

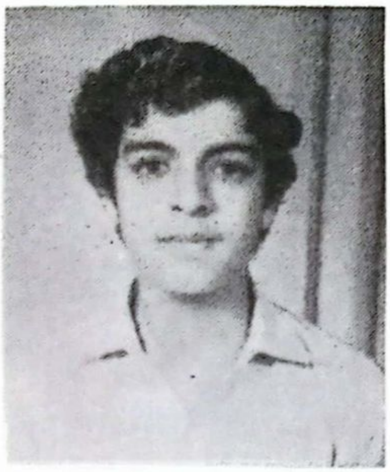

ندیم احمد قریشی

74.7%

نازیہ انجم

74.8%

ندیم امتیاز

71.53%

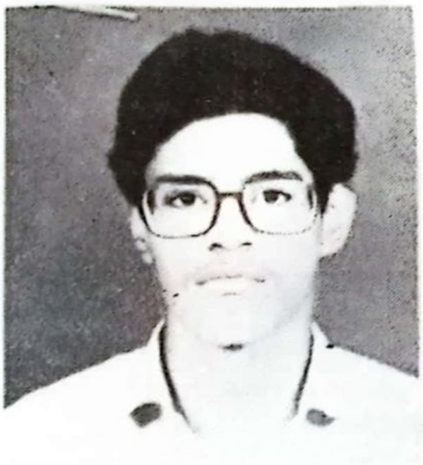

نوید اقبال

74.12%

گریجویشن

نورناز کوکب

ایم اے اکنامکس 60% (پنجاب یونیورسٹی)

ترنم ناز

B.Sc

61.2%

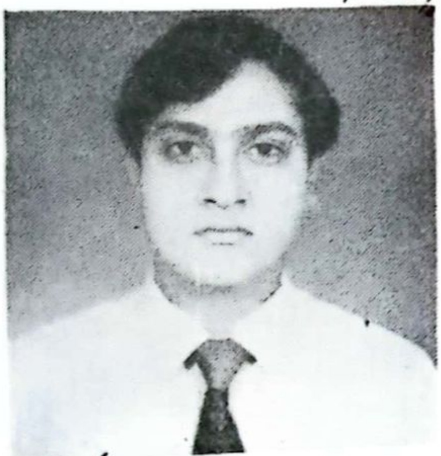

محمد وسیم بقائی

بی۔ای مکینیکل انجینئرنگ 70%

Scanned with CamScanner

انعامات حاصل کرنیوالے طلباء وطالبات
انٹرمیڈیٹ

سہیل ارشد بقائی
پہلی پوزیشن 72.27 %

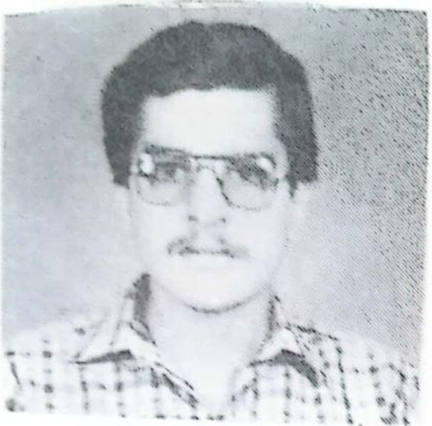

ندیم جمیل
دوسری پوزیشن 72.09 %

فوزیہ بقائی
تیسری پوزیشن 70.18 %

خصوصی انعامات برائے انٹرمیڈیٹ

محمد ندیم عمر
68.4 %

رخشندہ ناز
67 %

خصوصی انعام
عظمیٰ سمیع (راولپنڈی)
79.8 %

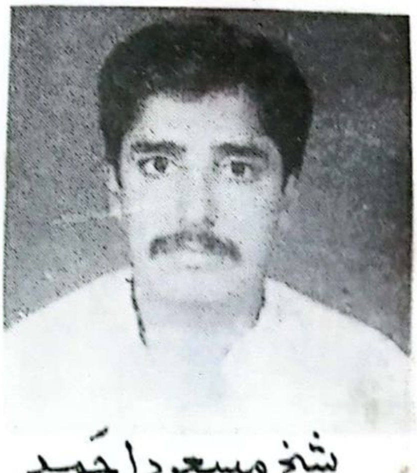

شیخ مسعود احمد
65.27 %

احمدی عندلیب
64.5 %

Scanned with CamScanner

پیغام

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ہماری قوم کے نوجوانوں میں تنظیم کی صلاحیت کماحقہٗ موجود ہے اور اس پر یقین محکم بھی آپس میں اتحاد، اتفاق اور محبت کے جذبہ سے بھی سرشار ہیں۔ جس پر ہم سب کو فخر ہے۔ مجھے صرف ایک کمی محسوس ہوتی ہے وہ ہے عمل پیہم کی۔ ان کا دائرہ کار صرف سالانہ اجلاس تک محدود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی تنظیمیں (فرینڈز سرکل، بزم ادب وغیرہ) زیادہ فعال ہوں۔ ان کے اجلاس ہفتہ وار، مہینہ وار ہوں اور کارکردگی ہمہ جہت ہو، یعنی تعلیمی، سماجی اور خصوصاً اقتصادی میدان میں زیادہ ہو۔ بزرگوں اور ان کے پیش رو اصحاب نے نوجوانوں کے لئے ایک مضبوط اور فقید المثال بنیاد قومی ہال کی صورت میں جس کا ہم گذشتہ تیس پینتیس سال سے انتظار کر رہے تھے مہیا کر دی ہے۔ میری قوم کے نوجوانوں سے اپیل ہے اور درخواست ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اپنی تنظیموں کو فعال بنائیں اور قومی ہال کی تکمیل میں بھی حصّہ لیں۔

اُٹھو اُٹھو زمانہ قیامت کی چال چل گیا
نہ سنو گے تو تمہاری داستاں نہ ہوگی داستانوں میں

آپ کا خادم قوم کا سپاہی
مقصود حسین عفی اللہ عنہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ اپنی شاندار روایات کو برقرار رکھتے ہوئے کارکنانِ فرینڈز سرکل مجلّہ "ہمچیاں" شائع کر رہے ہیں۔ فرینڈز سرکل نے جسے جمعیت حکیمانِ دھلی کا ایک اہم ادارہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے جمعیت کے نوجوانوں میں ادبی ذوق اور جذبۂ مسابقت کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

جمعیت حکیمانِ دہلی کی تنظیم کے اہم ستون دست بردِ زمانہ سے نحیف و نزار ہوتے جا رہے ہیں۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ نوجوانانِ جمعیت قومی خدمت میں اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹا کر اپنا اہم فریضہ ادا کریں۔

میں صدر اور اراکین مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل کو مبارکباد دیتا ہوں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی کامیابی اور کامرانی کیلئے دست بدعا ہوں۔

محمد تقی

صدر جمعیت حکیمانِ (دھلی)، کراچی

Scanned with CamScanner

حکیم حمید الدین بقائی دہلوی
سابق پروفیسر اجمل طبیہ کالج راولپنڈی،
سکریٹری نشر و اشاعت آل پاکستان یونانی و آیورویدک
رجسٹرڈ پریکٹیشنرز ایسوسی ایشن۔

قوم حکیمان اور طب اسلامی

نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمام علوم میں علم طب اور علم دین کو فضیلت حاصل ہے۔ "العلم العلمان علم البدان ولادیان" تمام کاموں میں خدمتِ خلق کو فضیلت حاصل ہے۔ "افضل الشغال خدمت الناس"۔ ہندوستان کے دل دہلی میں قوم حکیمان کی دیگر ذات، برادریوں، قبیلوں اور خاندانوں پر برتری اور فضیلت کی بنیادی وجہ علم و ادب اور خدمتِ خلق ہے۔ علم و فن ایمان و عمل، حکمت و دانش اور خدمتِ خلق کی بناء پر دیگر اقوام میں قوم حکیمان اس طرح معتبر اور ممتاز تھی جس طرح ستاروں میں چاند اور گلدستہ میں گلاب، خداوند قدوس کے اس انعام اور احسان کے لئے جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے کیونکہ :-

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

قوم حکیمان کے بزرگ اور آباد اجداد ہندوستان میں ایران سے آئے تھے۔ ایران میں بھی طب و حکمت کے پیشے سے ہی وابستہ تھے۔ وہاں پر بھی شاہی طبیب تھے۔ شاہان حضوریہ کے معالج خاص تھے۔

بعض طبیب اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں، بعض طبیب شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ شاہی معالج مقرر ہوئے اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ مغلیہ دور کے زوال تک طبیب شاہی کے عہدے پر متمکن رہے۔ اپنے فنی کمالات، حذاقت، مہارت، وسیع علم و تجربہ، دستِ شفا، تحقیقات، ایجادات اور کارہائے نمایاں کی بناء پر دربار شاہی سے بڑے بڑے انعامات و اعزازات، القابات سے نوازے گئے۔ مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد قوم حکیمان کے نامور حکماء اور اطباء، مختلف والیانِ ریاست کے معالج مقرر کیے گئے۔ ان ریاستوں میں ریاست رام پور، ریاست بھوپال، ریاست حیدرآباد، ریاست پٹیالہ، ریاست مالیر کوٹلہ اور ریاست جے پور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آج بھی شہر دہلی کے عین وسط میں کوچہ حکیم بقاء کا نام قوم حکیمان کی تاریخی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

قرابادین شفائی، قرابادین ذکائی، قرابادین بقائی، مجموعہ بقائی قوم حکیمان دہلی کی علمی اور فنی عظمت ان کی تحقیقات، تجربات معلومات اور مفید ایجادات پر تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ شاہکار تصانیف ہزاروں مستند، مجرب اور کامیاب نسخہ جات، طبی تحقیق اور اسرار و رموز کا خزانہ ہیں۔ جن سے لاتعداد بزرگانِ خدا فیض یاب اور شفایاب ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ قومِ حکیمان دہلی نے سینکڑوں یگانہ روزگار اور باکمال طبیب اور معالج پیدا کیے ہیں۔ جن کی ہر دلعزیزی، مقبولیت اور شہرت کا دائرہ صرف دہلی تک ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ بیرون ممالک سے بھی مریضوں کی بڑی تعداد اُن کے مطبوں کا رُخ کرتی اور صحت و شفا کی نعمت سے مالا مال ہو کر واپس لوٹتی تھی۔

اِن مایہ ناز طبیبوں میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیں۔ حکیم شفاء اللہ خان، حکیم دوست محمد خان، حکیم نجیب اللہ خان، حکیم عبدالسلام خان، حکیم بقاء اللہ خان، حکیم محمد اسمٰعیل خان، حکیم محمد اسحاق خان، حکیم احسن اللہ خان، حکیم ذکاء اللہ خان، حکیم بو علی خان، حکیم نجف بخش خان، حکیم حسام الدین حیدر، حکیم قیام الدین، حکیم لطیف حسین خان، حکیم مصباح الدین بقائی، حکیم حاجی سمیع الدین بقائی، حکیم نورالدین، حکیم غیاث الدین، حکیم مکرم الدین بقائی۔ حکیم حافظ جمال الدین ذکائی، حکیم حافظ حمیدالدین ذکائی، حکیم امتیاز الدین ذکائی، حکیم ریاض الدین بقائی، حکیم اعتصام الدین بقائی، حکیم مولوی ابراہیم علی خان بقائی، حکیم احمد حسین تحصیلدار، حکیم حافظ انتظام الدین، حکیم حاجی خلیل الرحمن، حکیم محمد اکرام الدین بقائی، حکیم شجاع الدین بقائی، حکیم صمصام الدین بقائی، حکیم حافظ شمس الدین بقائی، حکیم مقیم الدین وغیرہ اطبائے کرام یکتائے روزگار تھے۔ خداوند تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور آخرت میں بھی ان کے درجات اسی طرح بلند فرمائے جس طرح انہیں دنیا میں عزت و وقار نصیب تھا۔

قوم حکیمان کے ایک مشہور طبی خاندان بقائی کے حکماء اور اطباء دیگر امراض کے علاج میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے لیکن امراض چشم میں خصوصی مہارت اور دسترس حاصل تھی۔ یہ حکماء اسلام ہی تھے جنہوں نے طب یونانی کو اسلامی اقدار سے روشناس کرایا۔ ریسرچ، تحقیق اور ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ طب یونانی کو طب اسلامی بنایا۔ اور طب اسلامی کو ہندوستان کی آب و ہوا اور یہاں کے لوگوں کے مزاج سے ہم آہنگ کر کے زیادہ سے زیادہ مفید اور شفا بخش بنایا۔

علاج و معالجہ کے سلسلے میں ہندوستان کے دیگر طبی خاندانوں اور طبیبوں سے قوم حکیمان اور اطباء کی خدمات کسی طرح کم نہیں۔ دوا سازی کے ضمن میں ہندوستان میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا دیسی دوا ساز ادارہ یونانی دواخانہ کے نام سے حکیم حافظ جمال الدین نے بلیماران میں قائم کیا۔ حکیم حافظ حمیدالدین اور حکیم امتیاز الدین ذکائی نے اُسے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ترقی دی۔ صنعت دوا سازی میں پیٹنٹ ادویات خوشنما پیکنگ کے ساتھ پہلی بار مارکیٹ میں آئیں۔ صرف یہی نہیں کہ قوم حکیمان کے نامور حکماء نے شاہانِ وقت، امراء، رؤساء اور والیانِ ریاست کا علاج کیا بلکہ غرباء اور مساکین کا بھی بہت بڑی تعداد میں مفت علاج کیا۔ صرف علاج ہی نہیں

گیا بلکہ طبی تعلیم و تدریس پر بھی توجہ دی۔ جس زمانے میں طبیہ کالج موجود نہ تھے خاندان شریفی اور خاندان عزیزی کے حکماء اور اطباء کے طبی درسگاہوں کے طور پر بھی اہلِ ملک کی طبی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ہزاروں طالبانِ علم ان حکماء اور اطباء سے طب کی علمی اور مطب عملی کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نسخہ نویسی، فنِ تشخیص اور فنِ تجویز میں مہارت حاصل کرکے بندگانِ خدا کی طبی خدمات انجام دینے کے قابل ہوتے تھے۔ بلاشبہ دہلی کی قوم حکیمان نے اہالیانِ وطن اور بندگانِ خدا کی بے پناہ علمی عملی فنی، طبی، تعلیمی اخلاقی، مذہبی، ادبی، معاشرتی، سماجی، سیاسی، معالجاتی خدمات انجام دی ہیں۔ اُن کی انتھک محنت اور پُرخلوص خدمات کے باعث ہی سید القوم خادم ہوا۔ انہیں ہندوستان بلکہ بین الاقوامی سطح پر نیک نامی، عزت اور وقار نصیب ہوا۔ آج ہم قوم حکیمان کے افراد اپنے ماضی پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن "پدرم سلطان بود ترا چہ" سوال یہ ہے کہ آج ہم کہاں کھڑے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

ع باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
تو پھر پسر لائقِ میراثِ پدر کیونکر ہو

آج حالت یہ ہے کہ تہذیبِ حاضر کے جھوٹے نگوں کی چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو چکا چوند کر دیا ہے۔

ع نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

سائنس ریسرچ اور ترقی کے دلکش لفظوں اور دلفریب اصطلاحوں نے ہمارے قلوب اور اذہان کو مسحور کر لیا اور مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے۔ وحی الہٰی پر ہمارا عقیدہ اور ایمان اتنا پختہ نہیں ہے جتنا کہ تہذیب جدید اور ماڈرن ازم پر ہم یقین کامل رکھتے ہیں۔ علوم جدیدہ کو حرفِ آخر سمجھ بیٹھے ہیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ "آگے دوڑ پیچھے چھوڑ" ہم اندھا دھند غیر اقوام کی نقالی کر رہے ہیں۔ خود اعتمادی کے جوہر سے محروم ہو گئے ہیں۔ اپنے ماضی، اپنی تہذیب اپنی روایات، اپنا لباس، اپنے علوم و فنون کو حقیر سمجھ کر چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اپنی خوبیاں بھی خامیاں نظر آنے لگی ہیں۔ اور دوسروں کی برائی بھی خوبی معلوم ہونے لگی ہے۔ یہ سب کچھ غلامانہ ذہنیت کے باعث ہے

ع جو تھا ناخوب وہ بہت خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتے ہیں قوموں کے ضمیر

ظاہری طور پر ہم آزاد ہیں لیکن ذہنی طور پر ہم غلام ہیں۔ تعجب اور حیرت کی بات ہے بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ اربابِ دانش یعنی اکابرین قوم حکیمان بھی عقل و دانش سے عاری ہو چکے ہیں۔ خود خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے مقدس قیمتی علمی ورثے کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ اس کی حفاظت پر توجہ نہیں دے رہے۔ آج دس ہزار سے زیادہ افراد پر مشتمل قوم حکیمان کی برادری میں چند حکیم اور طبیب ہیں۔ جنہیں انگلیوں پر گن لیجئے۔ غالباً طبیب اور حکیم بننا اور طبیب اور حکیم کہلانا کسرِ شان سمجھا جانے لگا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے نوجوانوں کو علوم جدیدہ سے استفادہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان علوم کو بھی ضرور حاصل کیجئے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے بھی ضرور مستفید ہوں۔ لیکن مشرقی اور اسلامی علوم و فنون کو بھی ترک نہ کریں کیونکہ ان کی بھی افادیت ہے۔ ہمارے نوجوان ضرور سائنسداں بنیں، ڈاکٹر بنیں، ہومیوپیتھ بنیں، انجینیئر بنیں، وکیل بنیں، جج بنیں، صحافی بنیں، ادیب بنیں، مصنف بنیں، افسر بنیں، پرنسپل بنیں، پائلٹ بنیں، ہواباز اور خلاباز بنیں، سویلین بنیں یا فوجی بنیں،

آرمی کے میجر اور کرنل نہیں، تاجر نہیں، سوداگر نہیں، صنعت کار اور کارخانہ دار نہیں، لیکن ہمارے ہاں ہماری برادری میں ایک معقول تعداد طبیبوں اور حکیموں کی بھی ہونی چاہیئے۔ برادری کے ہر گھر میں ایک دو نہ سہی، ہر دس بیس گھروں میں سے ایک گھر میں لازمی طور پر ایک مستند گریجویٹ قابل اور حاذق طبیب اور حکیم ہونا چاہیئے۔ طبیب اور حکیم کہلانا کمتر درجہ کی بات نہیں ہے، حقارت کی بات نہیں ہے، توہین یا تضحیک کی بات نہیں ہے بلکہ عزت و وقار کی بات ہے، طب و حکمت کا پیشہ ماضی میں بھی عزت و وقار کا ذریعہ تھا، آج بھی ہے اور آئندہ بھی عزت و وقار کا باعث رہے گا۔

آج بھی جو حکماء اور اطباء اسلامی ضابطۂ اخلاق کے مطابق بندگانِ خدا طبّی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ معاشرے میں نہایت ہی نیک نام، ہر دلعزیز اور محترم ہیں جب کہ ڈاکٹر صاحبان (معذرت کے ساتھ) میں سے ایسے لوگ جن کا نصب العین حُبِّ زر اور دولت کے انبار اکٹھے کرنا ہے۔ جن کی نظر مرض کی بجائے مریض کی جیب پر رہتی ہے۔ باوجود اعلیٰ تعلیم اور بڑی بڑی ڈگریوں کے تمام لوگ انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں۔ منہ پر نہ سہی مگر دل میں وہ عزت نہیں کرتے جو اس پیشہ سے متعلق افراد کی کرنی چاہیئے۔ اور پھر لفظ حکیم تو اتنا مقدس ہے کہ خالق کائنات مالک ارض و سماء خداوند کریم کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام حکیم بھی ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ بھی قرآن حکیم آتا ہے۔ مشاہیر اسلام کے ناموں کے ساتھ بھی حکیم الامت کے القابات اور اعزازات استعمال کیئے وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو حکیم یا طبیب کے معنی اور مفہوم اور اس کے مقام اور مرتبہ سے نابلد ہیں یا اس کا جاہلانہ تصور رکھتے ہیں یہ

سمجھنا بھی غلط فہمی ہے کہ طب و حکمت کا کوئی علمی اور سائنسی مقام نہیں ہے اور یہ فرسودہ اور غیر سائنسی طریقۂ علاج ہے۔ امر واضح یہ ہے کہ جدید میڈیکل سائنس کی تمام تر ترقی حکمائے اسلام اور اطبائے یونانی ہی کی مرہونِ منت ہے۔ یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ طب یونانی ایک سائنٹفک طریقۂ علاج ہے۔ انگریز نے اپنے عہدِ حکومت میں متعدد تحقیقاتی کمیٹیاں قائم کیں جن میں بلند پایہ ڈاکٹر، ماہر دواساز، ممتاز سائنسدان تھے۔ انہوں نے کافی عرصہ تحقیقات کرنے کے بعد اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ متفقہ طور پر سب کی رپورٹ یہ تھی کہ طب یونانی ایلوپیتھی سے بھی زیادہ سائنٹفک ہے۔ مفید اور مؤثر طریقۂ علاج ہے، اور یہاں باشندوں کے مزاج، طبائع اور پسند کے مطابق ہے۔ مقبول اور ہر دلعزیز ہے۔ آج بھی جبکہ حکومتوں کی مکمّل سرپرستی انگریزی طریقہ علاج کو میسّر ہے۔ ایلوپیتھی کے فروغ پر اربوں اور کھربوں روپے خرچ کیئے جا رہے ہیں اور طب اسلامی کسی بھی معقول سرپرستی سے تقریباً محروم چلی آ رہی ہے حالت یہ ہے کہ مریضوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جنہیں ایلوپیتھ معالجین ڈاکٹری دوائیں نہیں پہنچا سکیں یا انہیں ڈاکٹری دواؤں سے نقصان ہوا ایسے مریض لاکھوں کی تعداد میں روزانہ طبیبوں اور حکیموں سے رجوع کرتے ہیں۔ اور دیسی علاج سے شفایاب ہو کر طبِ اسلامی کے مدّاح نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایلوپیتھی طریقہ علاج نے مختلف زاویوں سے ترقی کی ہے۔ سرجری میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ بھی ہے کہ کتنے ہی ایسے مریض جنہیں ایلوپیتھ والے آپریشن تجویز کرتے ہیں وہ خوردنی علاج سے طب یونانی سے بغیر آپریشن کے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ ایک متبادل طریقہ علاج کی حیثیت سے طب اسلامی

کی اہمیت افادیت اور ضرورت سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ پاکستان میں مسائل صحت طب یونانی کے تعاون سے ہی حل کیے جا سکتے ہیں۔

شہید ملت خان لیاقت علی خان نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قومی اسمبلی صحت پر تقریر کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ پاکستان میں قومی مسئلہ صحت طب یونانی کی مکمل سرکاری سرپرستی کے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا۔ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۹۴۷ء میں دہلی طبیہ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ طبِ اسلامی ہمارا مقدس علمی ورثہ ہے، ہم اسے پاکستان میں فروغ دیں گے۔ پاکستان میں حکیم حافظ محمد سعید آف ہمدرد فاؤنڈیشن اور دیگر بہت سے طبیب طبی پیشہ میں نام پیدا کر کے طب اسلامی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ ملک میں دیسی طب کے ذریعہ معیاری اور مثالی طبی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ دیسی صنعت دوا سازی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ تو قوم حکیمان دہلی کے افراد ایسا کیوں نہیں کر سکتے جب کہ طب و صحت قوم حکیمان کا اپنا TOPIC ہے۔ اکابرین قوم کو اس بارے میں مل بیٹھ کر سوچنا چاہیئے کہ اگر چین میں ایک ارب آبادی کے مسائل صحت حکمت کے پرانے طریقہ علاج کے ذریعہ حل کیے جا سکتے ہیں تو پاکستان میں قومی مسائل صحت ملکی وسائل سے کیوں حل نہیں کیے جا سکتے؟ اس بارے میں قومی انداز فکر اختیار کرنا عقل و دانش کے عین مطابق ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اچھی خاصی تعداد میں طب و حکمت کی تعلیم دلائی جائے۔ انہیں سند کوالیفائیڈ قابل اور حاذق طبیب اور معالج بنا کر ملک اور قوم کی خدمت کا موقع فراہم کیا جائے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے نوجوان باصلاحیت ہیں۔ جس طرح دوسرے تعلیمی شعبوں میں، مختلف شعبوں میں مختلف پیشوں میں محنت کر کے کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح طبی تعلیم کے حصول اور حکمت کے پیشے میں توجہ محنت، ذوق و شوق سے کام کریں تو طبی اور فنی نقطۂ نظر سے وہ اپنی عظمتِ رفتہ کو ایک بار پھر بحال کر تے ہیں۔ اور قوم حکیمان کو صرف نام کی نہیں قوم حکیمان نہیں بلکہ کام کی قوم حکیمان بنا کر دکھا سکتے ہیں۔

؎ آج بھی جو ہو ابراہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

طب اسلامی صرف ہماری قومی ضرورت نہیں ہے یہ ہمارے آباؤ اجداد کا پیشہ تھا بلکہ ہمارے ملک کے عوام کی ایک ضرورت ہے، کیونکہ اس ملک کے جغرافیائی اور اقتصادی حالات اور یہاں کے باشندوں کے مزاج اور طبائع سے خاص طور پر مطابقت اور مناسبت رکھتا ہے۔ سستا ہے، آسان ہے، بے ضرر ہے، نشہ آور ادویات سے پاک ہے۔ ڈاکٹری دواؤں کی طرح ری ایکشن بھی نہیں کرتا قومی صحت کے ساتھ قومی دولت کا بھی محافظ ہے، زرِ مبادلہ کی بچت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ دیسی ادویات زیادہ تر اپنے ملک کی پیداوار ہیں، طب اسلامی ہمارا قومی تشخص اور پہچان ہے، آزادی کی علامت ہے۔ کیونکہ ہمارے اپنے تجربات، مشاہدات، ہمارے اپنے عقل و دانش کی پیداوار ہے اس لئے یہ ہماری خودداری اور خود اعتمادی کا مظہر ہے۔ زندہ اور باوقار قومیں اپنے مسائل اپنے ہی وسائل سے حل کرتی ہیں۔ اپنی ہی بنیادوں پر ترقی کرتی ہیں۔ اپنے دل و دماغ سے سوچتی ہیں۔ اپنے ماضی سے روشنی لیتی ہیں، اپنے حال کو بہتر بناتی ہیں اور مستقبل تعمیر کرتی ہیں۔ غیرت مند اور خوددار قومیں اپنی دنیا آپ بناتی ہیں۔

؎ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
شکارِ مردہ سزاوارِ شہباز نہیں

نسیم الدین
جنرل سیکریٹری

اے وطن

اے میرے عزیز ترین وطن! تجھے معلوم ہے کہ تیری زمین کا ذرّہ ذرّہ میرے لیے انجم درخشاں ہے تیرے دریاؤں میں رواں دواں میٹھا پانی کوثر و تسنیم کی طرح کیف افزا ہے۔

تیرے بلند و برتر پہاڑ میرے اسلاف کی شجاعت کے آئینہ دار ہیں تیری گاتی لہراتی ندیاں! میرے خوابوں کی تعبیر ہیں۔ تیرے سبزہ زار فردوس بداماں ہیں ۔ ۔ ۔ اور میرے وطن عزیز ۔ ۔ ۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے تیری عظمت تیری شوکت اور تیری بقاء کے ترانے گائے ہیں۔ جب یہ ترانے میرے لب پر آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے قلب کو ایک انجانا سکون مل گیا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تخت سماک پر بیٹھا کائنات کی سیر کر رہا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ اے وطن تیری بنیادوں کی تعمیر میں شہیدوں کا گرم گرم لہو ہے۔ وہ لہو جس کا ہر قطرہ کہکشانِ درخشاں عزم و یقین کی مشعلیں روشن کر گیا۔ جس کی تابنائی سے آج مہر و انجم فیضیاب ہیں تیری حسین وادیاں جنت کی حوروں کی طرح دل کو لبھاتی ہیں اور انہیں وادیوں میں پلنے والی عظیم سپوت، تیرے سہاگ کی نظر ہو گئے اور جاودانی بن گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میرے وطن! میں نے جب آنکھ کھولی تو پاکستان زندہ باد کے نعروں کی گھن گرج نے میرے عزم و حوصلہ کو عظمت جاودانی سے ہمکنار کیا اور میں نے اپنے لاشعور میں تیری عظمت اور تیری محبت کی عظیم دولت کو سمو لیا۔ میری رگ رگ میں عزم و یقین کی آگ بھڑک اٹھی، وہ آگ کہ جس کی تپش سے ہر تصور جھلس کر رہ گیا۔ بجز تیرے تصوّر کے ۔ ۔ ۔ ۔ تصور فقط تیرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیرا تصور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ تصور جسکو سینے میں دبائے ہوئے لاکھوں افراد تیری مقدس سرزمین کی طرف امڈ پڑے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان میں ضعیف تھے ۔ ۔ ۔ جوان بھی تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بچے بھی تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عورتیں بھی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ پیدل آئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ریل گاڑیوں میں بیٹھ کر آئے ۔ ۔ ۔ وہ بھوکے اور پیاسے آئے اور اپنا سب کچھ تجھ پر وار کر آئے۔ وہ تیری عظمت کی داستانوں کو اپنا اثاثہ بناتے ہوئے تیری طرف رواں دواں ہو گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے وطن کیا کہتا ہو گا ان کا دل ۔ ۔ ۔ ۔ جب وہ اپنے اجداد کی قبروں کو سلام کر کے ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی جائیدادوں کو اپنی کل متاع کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیری اور فقط تیری خاطر ۔ ۔ ۔ چھوڑ کر آ گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ جو محل نشین تھے۔ جھونپڑیوں کو محتاج ہو گئے۔ لیکن انھوں نے تیری خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے تیری خاطر سفر میں ۔ ۔ خاک دھول کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے چہرے کا غازہ بنا لیا۔ اور اسے صد ہزار افتخار، اپنے چہروں پر سجائے ہوئے گلی گلی نکل پڑے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ اے وطن

وہ پھول سے معصوم چہرے جو ظالموں کے تیروں۔۔
کرپانوں اور برچھیوں کی نوکوں پر، خاک و خون میں
لتھڑے تھے۔۔۔۔ تیری معصومیت کی گواہی دے
رہے تھے۔۔۔۔۔ وہ اجڑا ہوا سہاگ جو تیری بیٹیوں
مقدر بن گیا تھا۔۔۔۔ تیری شوکت پر دلیل تھا۔۔۔!

میرے وطن۔۔۔۔۔۔ یہ ابھی ۱۹۶۵ء ہی
کی بات ہے جب تیری سرحدوں پر دشمن چڑھ دوڑا تھا۔
اور تو نے اپنے سپوتوں کو آواز دی تھی!۔۔ تو نے
انھیں للکارا تھا۔ اور تیرے بیٹوں کے جسموں میں خون
کھول اٹھا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ تیغ بکف کفن باندھے ہوئے
تیری سرحدوں پر ڈٹ گئے۔۔۔۔۔ وہ ٹینکوں کے سامنے
سینہ سپر ہو گئے۔۔۔۔ انھوں نے فولاد آہنی کا جادو
توڑ دیا۔۔۔۔ انھوں نے اپنی جانوں کے نظرانے دیکر
تیری محبت کا حق ادا کر دیا۔۔۔۔ تیری ماؤں نے اپنے
بیٹوں کو تلقین کی کہ وہ آج مادر وطن کی حفاظت کرتے
ہوئے ان کے دودھ کی لاج رکھیں۔۔۔۔ تیری دلہنوں
نے سہاگ کے واسطے دیئے۔۔۔ تیرے بچوں نے یتیمی
کا تحفہ بخوبی قبول کر لیا۔ لیکن۔۔۔۔ میرے وطن!۔۔۔
۔۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔۔۔ جب دشمن نے پھر تجھ پر عیاری
سے حملہ کیا۔۔۔۔ تیرے حسن پر شب خون مارا
۔۔۔۔۔ تیرے جیالے۔۔۔۔۔ تیرے جفاکش۔۔۔۔۔۔
تیرے عظیم ہیرو۔۔۔۔۔ پھر تیرے حضور جانوں
کے نذرانے لیکر حاضر ہو گئے۔۔۔۔۔ ان میں سجیلے
۔۔۔۔۔ بانکے۔۔۔۔۔ عظیم و حسین نوجوان بھی تھے
گل یاسمین کی طرح شگفتہ۔ گل بنفشہ کی طرح
عطر بیز۔ لیکن ان کی جراءت۔۔۔۔ سازشوں
کا شکار ہوگی۔۔۔۔ ان کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی
کر دی گئیں اور پھر ہماری زندگی میں تجھے ایک کاری
ضرب لگائی گئی۔۔۔۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ آج تیرے
جیالے تیرے سپوت یہ ہی سوچتے ہیں کہ۔۔۔

تیرے سنہرے حصے میں۔۔۔ ندیوں کے دیش
میں وحشت و درندگی کا کھیل کھیلا گیا۔۔۔ اور پھر
خون بہا۔۔۔ سہاگ پھر اجاڑے گئے۔ یتیمی کے
داغ پھر تازہ ہوگئے۔۔۔ اور اے وطن!۔۔۔
ایک حسین خطہ ہم سے چھین لیا گیا۔۔۔ گو کہ یہ غاصبانہ
عمل۔۔۔ عارضی ہے۔ لیکن پھر بھی اے میرے وطن
تیرے چمن کی آبیاری کیلئے۔۔۔ کچھ نئے لوگ میدان میں
آگئے۔۔۔ تیرے چمن سے داغ دزغن نے بسیرا اٹھا لیا
تیری عظمت امر ہو گئی۔۔۔۔ اور پھر میں تازہ عزم
اور نئے ولولے کے ساتھ تیری تعمیر نو کی قسم کھاتا
ہوں۔ تیرے چمن کی آبیاری کیلئے۔ تیرے گلستان کی
بہاروں کے لئے خون کا نذرانہ بھی پیش کروں گا۔
تیرے ایوان کو رشک طور بنا دوں گا۔۔۔۔۔ کچھ
بھی ہو جائے تیری بہاروں کو جاوداں اور سدا بہار
بناتا رہونگا۔۔۔۔۔ میرے وطن!۔۔۔۔ خواہ کتنی بڑی
قیمت ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے ہر صورت میں تیرے
لیئے۔۔۔۔ تیری عظمت کے لئے۔ تیری بہاروں کے
سہاگ کے خاطر میدان میں کود پڑوں گا۔

میں تجھے ہر قیمت پر نئی زندگی عطا کرنے کی مہم میں
اپنے عظیم رہنماؤں کا ساتھ دوں گا۔۔۔۔ ان رہنماؤں
کا ساتھ جو تجھ سے صرف اس لئے محبت کرتے ہیں کہ
تجھے عنقریب اسلام کا گہوارہ بننا ہے۔۔۔ میں گلی گلی

Scanned with CamScanner

قریہ! قریہ! بستی بستی! کوچہ کوچہ! تیری عظمت کے ترانے گاؤں گا.... تیرے کھیتوں کو خون دل سے سینچوں گا..... تیری بہاروں کو سبزہ نو کی جاودانی بخشوں گا...... صرف اس لئے کہ یہاں دین اسلام سر بلند ہو...... اے میرے وطن میں تیری تعمیر نو میں خون دل کے نذرانے پیش کرونگا...... میں تیری خاطر...... تیری بستیوں کی خاطر...... ایک ایک لمحہ کو کام میں لاؤں گا... کھیتوں، کھلیانوں کو... عظمت دوام بخشوں گا.... صرف اس پاک مقصد کیلئے یہاں خدا کا دین پروان چڑھے۔

اور پھر کسی میں اتنی ہمت ہو سکے گی کہ وہ تیری سمت نگاہ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ میرے وطن... تو زندہ رہے پائندہ رہے۔ رخشندہ رہے.... تیری تابناکی سلامت رہے۔ تیری عظمت.... عظمت اسلام سے ہمکنار ہو کر تاریخ کا ایک اہم اور درخشاں باب بن جائے گا۔ میرے وطن میں تیری متوقع بہاروں کی آمد کا منتظر ہوں.... تجھ پر سلامتی ہو.... اور تیری زمین پر بسنے والوں پر نزولِ رحمت باری تعالیٰ ہو.... اور عزم ملت پاکستان.... عزم صادق..... صرف باری تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے.... بس یہ ہے تیری حقیقت تیرا ضمیر.... حقیقت بدلی تو مٹ جائے گا۔ ضمیر بدلا تو تیری ضرورت باقی نہ رہے گی.... خدا کرے کہ تو ہمیشہ پاکستان رہے... تیرے دشمن نیست و نابود رہیں.... تو میرا پاکستان.... تو ہم سب کے خوابوں کا.... پاکستان

عِلم

علم وہی مستقل اور دیرپا ہوتا ہے جو کوشش اور تجربہ سے حاصل ہو۔ (ارسطو)

علم آپ کی حفاظت کرتا ہے جب کہ دولت کی حفاظت آپ کرتے ہیں۔ (نیوٹن)

علم اور عمل ساتھ ساتھ ہوں تو ترقی کی راہیں جلد طے ہو جاتی ہیں۔ (سقراط)

چراغ جس طرح بغیر جلائے روشنی نہیں دیتا علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں پہنچاتا۔ (سقراط)

خوبصورت وہ ہے جو لباسِ علم اور حسنِ اخلاق سے آراستہ ہو۔

علم ایسی سیڑھی ہے جس سے انسان اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

علم ایسا پھول ہے جو مرجھانے کے بعد بھی خوبصورت لگتا ہے۔

علم دولت سے آ نہیں سکتا۔ علم کوئی چرا نہیں سکتا۔

علم کی طلب کرنا گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی رحمت برستی ہے۔

علم دلوں کو اس طرح زندہ رکھتا ہے جس طرح بارش خشک زمین کو۔

Scanned with CamScanner

اسلامی تصوّرِ تعلیم

محمد اطہر۔ درجہ نہم۔ لٹل فوکس اسکول

اسلام کے نزدیک تعلیم کا تصوّر اور اس کی اہمیت بہت ہے۔ جس طرح اسلام ایک ضابطۂ حیات ہے اسی طرح اسلامی تصورِ تعلیم انسان کے نزدیک مکمّل ضابطۂ حیات مادّی اور غیر مادی اقدار پر مبنی ہے۔ اِس وجہ سے اسلام میں ایسی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جو انسان کے مکمّل ضابطۂ حیات کے تقاضوں، اور اقدار کی آسودگی کرتی ہو۔ اسلامی تصوّرِ تعلیم نے جس قدر فرد کی مادّی ترقی کے لئے راہ ہموار کی ہے اسی قدر روحانی نشو ونما کی رہنمائی بھی کی ہے۔ اسلام میں تعلیم کا تصوّر ایک ایسی تعلیم سے نوازتا ہے جو فرد کی دنیاوی ترقی سے ہمکنار کرتا ہے اور قربِ خداوندی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اسلام میں تعلیم کا تصوّر یہ ہے جو انسان کے حقوقِ نفس کی تکمیل کرے اور دوسری طرف حقوق اللہ کو پورا کرنے کے لائق بنائے۔

اِسلامی تصورِ تعلیم کی نمایاں بنیاد انسان کی عظمت اور شرافت کے تحفظ اور نشو ونما پر ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان تمام مخلوقات میں اشرف المخلوق ہے۔ جس طرح انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح اسلامی تصورِ تعلیم کُل کائنات کے علم پر فوقیت رکھتا ہے۔ تعلیم کی کوئی حد مقرر نہیں۔ انسان جتنا چاہے علم حاصل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"مہد سے لحد تک علم حاصل کرو۔"

یہ وہ علم ہے جو ہمیشہ بڑھتا ہے۔ اِس نقطۂ نگاہ سے اسلامی تعلیم میں مادّی علوم حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے۔ خشک و تر کے بارے میں جاننا اسلامی تعلیم کا تقاضہ ہے۔ اسلام میں تعلیم کا تصوّر ایک نیکی اور فضیلت ہے۔ اور اس نیکی اور فضیلت کو حاصل کرنا ہر ایک فرد کا فطری حق ہے۔ حدیث پاک ہے کہ علم حاصل کرنا اور دوسروں کو علم دینا عمل خیر ہے۔ اقبال بھی اپنے نظریۂ تعلیم کی بنیاد دین کو بناتے ہیں۔ جس طرح اسلامی نظریہ انفرادی طور پر افراد کے لئے مفید ہے، اجتماعی طور پر بنی نوعِ انسان کے لئے بھی صلاح و فلاح کا ضامن ہے۔ اسلامی تعلیم کا مقصد انسان کو روزمرّہ کی زندگی میں پیش آنے والے مصائب اور مشکلات سے نجات دلانا ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا اور اہمیت کا اصول ہے۔ تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ مفید علم وہ ہے جس کو پڑھنے کے بعد انسان کی آنکھوں میں دنیا حقیر ہو جائے۔ چنانچہ اسلام نے علم کو وہ تصوّر دیا ہے جس میں بنیادی چیز "علم کا سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے"۔ یعنی علم اسی کا عطا کیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا علم بھی اسی کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ علم کا تعلق محض لوازماتِ حیات سے ہی نہیں مقاصدِ حیات سے بھی ہے۔

افشاں۔ سلومی بنت مصباح الدین عالم

کام کی باتیں

مت چنو! ایسے پھول جو پتی کھلتے ہی زندگی کو اُجاڑ دیتے ہوں۔

مت ملو! ایسے لوگوں سے جو مطلب پرست اور اپنا مطلب سیدھا کرنے والے ہوں۔

مت بیٹھو! ایسی محفل میں جہاں اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہوتی ہوں۔

مت سنو! ایسی باتیں جنہیں سنکر دل جل کر راکھ ہو جاتا ہو۔

مت پہنو! ایسا لباس جو نمود و نمائش کی خاطر سلوایا گیا ہو۔

مت چکھو! ایسا ذائقہ جس سے زندگی اجیرن ہو جاتی ہو۔

مت جاؤ! ایسی جگہ جہاں پر غصہ، حسد اور برائیوں کے انبار جمع ہوں۔

مت پیو! ایسی شے جو زندگی کا ستیاناس کر دیتی ہو

مت چلو! ایسے لوگوں کے ساتھ جو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ دیتے ہوں۔

مت سوچو! ایسے خیال جن پر عمل پیرا نہ ہو سکتے ہو۔

مت کرو! ایسی محبت جس میں سچائی موجود نہ ہو۔

مت پڑھو! ایسی کتابیں جن کے پڑھنے سے اخلاق بگڑتا ہو۔

مت بولو! ایسے الفاظ جن سے دوسروں کی دل آزاری ہو۔

تین چیزیں

تین چیزیں۔ جن سے ہمیشہ بچنے رہنا چاہیئے:۔

حسد، جھوٹ، غیبت۔

تین چیزیں۔ جن کا احترام کرنا چاہیئے:۔

قانون۔ استاد۔ والدین۔

تین چیزیں۔ جن کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔

موت۔ زوال۔ تکلیف

تین چیزیں۔ جن کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے:۔

ایمان۔ امید۔ تحمل۔

تین چیزیں۔ انسان کو تباہ کر دیتی ہیں:۔ قرض۔ حسد۔ غرور۔

تین چیزیں۔ انسان کو ایک بار ملتی ہیں:۔ حسن، جوانی، والدین۔

تین چیزیں۔ انسان کو ذلیل کرتی ہیں:۔ چوری۔ چغل۔ جھوٹ۔

تین چیزیں۔ کسی کا انتظار نہیں کرتیں:۔ موت۔ وقت۔ گاہک۔

تین چیزیں۔ ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں:۔ صورت۔ سیرت۔ قسمت

تین چیزیں۔ بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں۔ زر۔ زن۔ زمین۔

تین چیزیں۔ ہر ایک کو پیاری ہوتی ہیں:۔ عورت۔ دولت۔ اولاد

تین چیزیں۔ یاد رکھنا ضروری ہے:۔ سچائی۔ فرائض۔ موت۔

تین چیزیں۔ کبھی چھوٹی نہ سمجھیں:۔ قرض۔ فرض۔ مرض۔

تین چیزیں۔ خلوص سے کرنی چاہئیں:۔ رحم۔ کرم۔ دعا۔

تین چیزیں۔ کوئی نہیں چرا سکتا:۔ عقل۔ علم۔ ہنر

تین چیزیں۔ واپس نہیں آتیں:۔

تیر کمان سے۔ بات زبان سے۔ جان جسم سے۔

Scanned with CamScanner

محمد عمر بقائی
اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایکسپورٹ پروموشن بیورو

نوجوانوں کی اخلاقی ذمہ داری

ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت کے جہاں اور بہت سے زرّین گوشے ہیں وہیں آپ بحیثیت معلّم اخلاق ایک اہم ترین مقام کے حامل ہیں۔ آپ کی تعلیمات ہمارے اخلاق کے سُدھار کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ خود قرآن پاک میں اخلاق کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور ہر بُرائی اور ہر بداخلاقی کی مذمت کی گئی ہے۔ ہمارے نبی مکرم نے اصلاحِ اخلاق کی ذاتی اور اجتماعی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ فردی اصلاح اخلاق اسلامیہ میں اس حد تک معیّن کردی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی بُرائی کے پاس بھی نہ پھٹکے خواہ وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ، خواہ جلوت میں ہو یا خلوت میں کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے، مسلمان کسی بداخلاقی کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ اپنی اصلاح کے علاوہ تمام لوگوں کی اصلاح اور درستیٔ اخلاق کی ذمّہ داری بھی عامۃ المسلمین کے سپرد ہوتی ہے۔ قرآنی تعلیم میں جماعت کے افراد پر اُن کی وسعت اور صلاحیّت کے مطابق دوسرے افراد کی نگرانی کا فرض ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو تمام دنیا کے مذاہب میں قرآن مجید کی اخلاقی نگرانی کے اصول کو نمایاں کرتی ہے۔ اولوالعزم اور قوی ہمّت افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ جماعت، برادری اور قوم کی نگہبانی کریں، اور اخلاقی انحطاط کی دیکھ بھال اور بقدر ہمت اصلاح کرتے رہیں۔ میں آج کی فرینڈز سرکل کی تقریب میں آپ کی توجہ مندرجہ ذیل باتوں کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو موجودہ دور میں اخلاقی انحطاط کی ذمّہ دار ہیں۔

(۱) نوجوانوں کا غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نوکری حاصل کرنے کے لئے جانا۔

(۲) شادی کے بعد بہو بیگم کا اپنے لئے گھر طلب کرنا۔ اور

(۳) بلامعاوضہ شفیق والدین جو اُن کے گھر بار کی ذمہ داری محافظ اور چوکیدار کی حیثیت سے اٹھاتے ہیں ان کو نظرانداز کرنا۔

اِس سلسلے میں سماجی پسِ منظر کا بھی کچھ احوال بیان ہو جائے تو مناسب ہے۔

سماجی پسِ منظر
تقسیم پاکستان سے پہلے اور آج

تقسیم پاکستان سے پہلے ہماری برادری میں چند افراد

Scanned with CamScanner

اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اگرچہ وہ زمانہ بہت سستا تھا لیکن تعلیم کے حصول کے لئے بڑا مہنگا تصوّر کیا جاتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کسی کے گھر میں ایک میز اور چند کرسیاں ہوا کرتی تھیں۔ تو وہ گھر سماج میں بڑا مہذب اور تعلیم یافتہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی کے گھر میں توس اور مکھن کا ناشتہ ہوتا تو وہ گھر اونچی سوسائٹی کا تصوّر کیا جاتا۔ ریڈیو ہزاروں میں کسی ایک گھر میں مشکل سے ہوتا تھا۔ اکثر صبح کے ناشتہ میں ایک گلاس ستّو یا رات کی بچی ہوئی کھچڑی ہوا کرتی تھی۔ دال اور سبزی کا استعمال عام تھا جب کہ بکری کا گوشت چار آنے فی سیر اور گائے کا گوشت دو آنے فی سیر بکتا تھا۔ اس پر بھی لوگ صبح سے شام تک اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہتے تھے۔ ایسے دور میں تعلیم کا خیال بھلا کس کو آئے گا۔ ہندو تعلیم کے حصول میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ مسلمانوں کو بھی تعلیم کے میدان میں کچھ اپنا مقام حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ہماری برادری میں تعلیم کے حصول کے لئے جناب شیخ مقصود صاحب پیش پیش رہے۔

آپ نے جس غریب بچے کو تعلیم کی طرف مائل دیکھا اس کی حوصلہ افزائی فرمائی اور وظیفہ مقرر کیا تاکہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔ تعلیم عام کرنے کے لئے کچھ اسکول بھی کھولے اور مزید ذوق وشوق کے لئے بزم ادب برائے مرد حضرات اور بزم خواتین کے اجتماعات ہونے لگے۔ آج کی اسٹوڈنٹ پارٹی کی تقریب اُس زمانے کی ایک یادگار ہے جو ہمارا نوجوان طبقہ بڑے اہتمام اور جوش و خروش کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے اور اُن کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ اس پس منظر کے بعد اب میں مذکورہ بالا اخلاقی انحطاط کی وجوہات پر اظہارِ خیال کرتا ہوں۔

بدیشی تعلیم اور نوکری

آج ہمارے نوجوان تعلیم کے حصول کے لئے بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ تعلیم عام ہو گئی ہے۔ ہماری قوم کے بچّے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے دوسرے ممالک یعنی امریکہ، کینیڈا اور انگلینڈ جا رہے ہیں۔ اس میں سے اکثر نوجوان وہاں شہریت حاصل کرنے کے لئے مقامی لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اور مستقل طور پر وہیں کے ہو جاتے ہیں۔ جن والدین نے اپنی مسلسل جدو جہد سے اپنے بچّوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دوسرے ممالک بھیجا وہ اب اُن کی صورت دیکھنے کو ترس رہے ہیں اگر کسی کے تین لڑکے ہیں تو ایک امریکہ، دوسرا کینیڈا اور تیسرا انگلینڈ میں ہے۔ انہوں نے وہاں کا ماحول اپنا لیا ہے۔ جو عیش وعشرت اُن کو وہاں مل رہا ہے بھلا اس کو چھوڑ کر اپنے وطن کیوں واپس آئیں۔ اُن کے ماں باپ کے پاس اُن کی مزید خوشی کے لئے ہوگا ہی کیا۔ سوائے چند دقیانوسی نصیحتوں کے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے بچّوں کی توجہ دین سے ہٹا کر دنیا حاصل کرنے کی طرف مبذول کی ہے۔ اس طرح وہ اپنے دین سے کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے ماں باپ کو بھی بھولتے جا رہے ہیں جنہوں نے اپنی دن رات کی کاوشوں سے اُن کو اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نوکری حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام عمر کی جمع پونجی اُن پر لگا دی۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہمارے پاکستان میں اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نوکری کے حصول میں کونسی کمی ہے جو اُن کے ماں باپ نے خود یا اپنے بچّوں کے کہنے پر دوسرے ممالک میں اعلیٰ تعلیم یا نوکری

Scanned with CamScanner

کے لئے اپنے بچوں کو بھیجتے رہے ہیں۔ درآنحالیکہ ہمارے پاکستان میں اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ ذریعہ معاش کے حصول کے لئے بہتر سے بہتر مواقع موجود ہیں۔ ہم کو یہاں ہر طرح کی سہولت موجود ہے۔ ہم اپنے باصلاحیت بچوں کو دوسرے ممالک میں بھیجنے کی ترغیب کیوں دیتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو اپنی بھرپور صلاحیتوں سے اپنے ملک اور ماں باپ کی خدمت انجام دینا چاہیئے۔ اِس سے اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوں گی اور دین اور دنیا دونوں کما لیں گے۔

میرا گھر کونسا ہے؟

پہلے خاندان میں بڑی یک جہتی پائی جاتی تھی۔ ایک ہی حویلی میں ایک خاندان کے تمام افراد یعنی دادا، دادی، ماں، باپ، چچا، تایا اور اُن کی اولاد۔ اِس طرح سو پچاس افراد ایک ہی گھر میں مِل جُل کر رہتے تھے۔ مانا کہ ہر فرد کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ کسی بچے میں ۱۰۰٪ کسی میں ۷۵ فیصد، کسی میں ۵۰ فیصد، کسی میں ۲۵ فیصد اور کسی میں ۱۰ فیصد صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ ان سب کی صلاحیتوں کو خاندان کا ایک بزرگ یکجا کرتا تھا اور اُن کی صلاحیتوں سے وہ خاندان پورا پورا فائدہ اٹھاتا تھا اور پہچانا جاتا تھا۔ ایسے خاندان کے ہر فرد کی عزت برابر سمجھی جاتی تھی۔ اس وقت ہمارے وسائل بہت کم تھے۔ آج ہمارے وسائل لامحدود ہیں۔ لیکن سینکڑوں مسئلوں سے دوچار ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو ہم اپنے دین سے دُور ہو گئے ہیں، دوسرے ہم اپنے بزرگوں کو ہر شعبہ میں نظر انداز کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مسائل دن دونے رات چوگنے بڑھ رہے ہیں۔

آج آپ نے اپنے لڑکے کی شادی کی تو کل وہ لڑکا آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ بہو پوچھتی ہے کہ "میرا گھر کون ہے جسے میں اپنا گھر کہوں"۔ کیونکہ لڑکی کے دل میں اس کے اپنے گھر کا ایک تصور پیدا کر دیا جاتا ہے کہ شادی کے بعد وہ تمہارا اپنا گھر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شادی کے دوسرے ہی دن بہو بیگم اپنی ساس سے کیوں نہ پوچھے کہ اُس کا اپنا گھر کونسا ہے جس میں رہنے کے لئے وہ آئی ہے۔ اِس دوٹوک بات سے خاوند اور ساس سُسر لاجواب ہو جاتے ہیں۔ مجبوراً سوچتے ہیں کہ بہو بیگم کے تصوّر میں کون سے اسٹائل کا گھر ہے تاکہ اس کے خوابوں کی تعبیر پوری کر سکیں۔ چنانچہ خاوند اور ساس سُسر ایسا گھر مہیّا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو نئی نویلی دلہن کو پسند ہو۔ ماں باپ نے جس بیٹے کو بڑے چاؤ سے پالا تھا اسے بہو بیگم کے ساتھ د کر دیا جاتا ہے۔ اگر چار بیٹے ہیں تو آہستہ آہستہ وہ اپنی دلہن کے ساتھ دوسرے گھروں کو رخصت ہو جاتے ہیں۔ اِن گھروں کی کیفیت یہ ہے کہ ایک ایک کوٹھی ۴۰۰ گز سے ۲ ہزار گز تک پھیلی ہوتی ہے جس میں میاں بیوی یا ایک دو بچے اگر ہو گئے ہیں تو وہ رہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے دو ہزار گز کا بنگلہ ہے تو اس میں لان وغیرہ بھی ہونا چاہیئے۔ اُس کی دیکھ بھال کے لئے ایک مالی بھی ہو بنگلے کی حفاظت کے لئے ایک چوکیدار اور دوسرے کاموں کے لئے دو چار ملازم بھی ہونے چاہئیں۔ اِس طرح ایک خاندان جو آٹھ دس افراد پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی دو یا ڈھائی سو گز کے مکان میں رہائش پذیر تھا وہ اب ہزاروں گز کے بنگلوں میں پھیل گیا ہے۔ بڑے مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ سب اپنے بڑوں کی شفقت سے محروم اور بہن بھائیوں کی محبّت سے بہت دُور ہو گئے ہیں ایک مغرب میں رہتا ہے تو دوسرا مشرق میں تیسرا جنوب میں

Scanned with CamScanner

چوتھا شمال میں رہ رہا ہے۔ اب ملاقات کے لئے وقت چاہیے۔ وہ ملتا نہیں۔ کئی کئی ہفتوں کے بعد ایک دوسرے کی شکل دیکھنے میں آتی ہے۔ آہ اُن کے ماں باپ کی کیا کیا تمنائیں تھیں کہ ہم اپنے لڑکوں کی شادی کریں گے اور اُن کے بچّوں کو کس کس چاؤ سے پالیں گے۔ بیٹا اور بہو بڑھاپے کے سہارے بنیں گے۔ دل ہی دل میں حسرت رہ جاتی ہے۔ اور سب کچھ بچّوں پر قربان کرکے چلے جاتے ہیں کہ وہ اب اپنی دنیا کو سنبھالیں۔ نوجوان بہن بھائیو! ڈرو کہیں یہ بڑے بڑے بنگلے تمہاری تباہی کا سبب نہ بن جائیں۔ اپنی خوشیوں کے ساتھ ساتھ اپنے اُن بھائیوں اور عزیزوں کا بھی خیال رکھو جو کنبہ لا اولاد ہیں اور اُن کی موجودہ رہائش اُن کی جائز ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتی۔

بلا معاوضہ کے شفیق چوکیدار والدین

میں اب آپ لوگوں کی توجہ اُن شفیق ماں باپ اور ساس سسر کی طرف دلاتا ہوں جو تمہارے گھر اور بچّوں کے بلا معاوضہ کے نگراں، محافظ یا چوکیدار ہیں۔ کل انہوں نے تمہیں اپنے پروں کے اندر حفاظت سے رکھا اور کیا کیا دکھ سہہ کر پروان چڑھایا آج بھی اُن کو تمہارے اور تم سے زیادہ تمہارے بچّوں کے آرام و آسائش کا خیال ہے۔ اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں تو کیا ہوا۔ وہ صبح سے شام اور رات سے دن تک تمہارے بچّوں اور تمہارے مال کے بلا معاوضہ کے نگرانِ کار بنے ہوئے ہیں۔ تمہارے بچّوں کی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتے۔ اگر تمہارے بچّے کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ تم سے زیادہ تڑپ جاتے ہیں۔ تم اور بہو بیگم جب گھر سے باہر جاتے ہو تو وہ تمہاری ہر چیز کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرتے ہیں۔ میں اُن نوجوان بیٹوں اور بہو بیگموں سے پوچھتا ہوں جو بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ کر الگ الگ بنگلوں میں رہ رہے ہیں۔ بتائیے اب تمہارے گھر اور بچّوں کی نگہداشت کون کرتا ہے۔ اگر تمہاری بیگم بچّے کو لٹا کر کسی کام یا باتوں میں لگ جاتی ہے اور آپ کا بچّہ روتا ہے تو اُس کے رونے پر کون تڑپتا ہے۔ جب تمہاری بیگم زچگی کی حالت میں ہسپتال میں ہوتی ہے تو تمہارے بچوں اور گھر کو کون سنبھالتا ہے۔ غرضیکہ بہت سے حالات میں دو چار ہونے کے لئے اور ضروریات کے لئے گھر کو کچھ دیر کے لئے چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ اس وقت کون تمہارے گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ظاہر ہے یا تو آپ لوگ گھر سے باہر نہیں نکلتے ہوں گے اور اگر جانا ہی پڑ گیا تو تم کو اپنے مال و زر سے ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔ چور اور ڈاکو تمہارے مال و زر سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اُن کی تکلیف بھی تمہارے ماں باپ کو تم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں والدین کے ساتھ حسن و سلوک، نیکی اور خدمت کی بار بار تاکید کے باوجود ہم اپنے ماں باپ کو ہر شعبہ میں مسلسل نظر انداز کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اس امر کو بالکل ملحوظ خاطر نہیں رکھتے کہ والدین کی بد دعا لئے اللہ کا قہر بیٹے پر نازل ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت بھی ایک جہاد ہے۔ قرآن پاک میں خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر دور میں ماں باپ کا درجہ مسلّم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ سے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ تم پر ماں باپ کی نافرمانی شرعی حدود میں رہتے ہوئے حرام ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ کہیں ہم اپنی بے راہ روی سے قعرِ مذلت میں تو

- باقی صفحہ ۲۵

Scanned with CamScanner CamScanner

محمد حنیف

شیخ فضل الٰہی مرحوم

زندہ قوموں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں اور محسنوں کی عزّت کرتی ہیں۔ ان کی یاد تازہ رکھتی ہیں۔ اور اُن کی شخصیتوں کو اجاگر کرتی ہیں ۔ محترم جناب شیخ فضل الٰہی صاحب ہر لحاظ سے ہماری قوم کے محسن تھے۔ آپ کی پوری زندگی قومی خدمت کا نمونہ تھی۔ گزشتہ نصف صدی میں آپ کو قومی سیاست سیاست میں مرکزی مقام حاصل رہا۔ قیام پاکستان سے پہلے جب برادری میں دستوری مسائل زیر بحث آئے تو آپ نے بڑا مثبت اور تعمیری رول ادا کیا۔ جمہوری عمل کو رواج دینے کے سلسلے میں آپ کا کردار بڑا موثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اعلیٰ مجلس انتظامی کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر کافی عرصے تک آپ اس معزز عہدہ پر مسلسل منتخب ہوتے رہے اور بہت سے معاشرتی بہبود و ترقی کے کام آپ کی زیر قیادت انجام پاتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اعلیٰ مجلس انتظامی کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر کافی عرصہ تک آپ اس معزز عہدہ پر مسلسل منتخب ہوتے رہے اور بہت سے معاشرتی بہبود و ترقی کے کام آپ کی زیر قیادت انجام پاتے رہے۔ ۱۹۵۴ء میں جب احباب صادق سوسائٹی وجود میں آئی تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے اور پھر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ سکریٹری بدلتے رہے مگر صدارت کے عہدہ پر آپ ہی فائز رہے۔ اس طرح تقریباً پچیس سال تک آپ دہلی حکیمان کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے منتخب صدر رہے۔ مجھے فخر ہے کہ بیس بائیس سال تک مجھے آپ کے ساتھ سوسائٹی کے منتخب سکریٹری کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ قومی تاریخ میں کسی ادارے کے دو اعلیٰ عہدوں پر دو افراد کے اس طرح مسلسل خدمت انجام دینے کا یہ ایک ریکارڈ ہے اور مجھے خوشی ہے کہ باہمی اعتماد اور خیر سگالی کے جذبات آخر وقت تک قائم رہے۔ میں سال بہ سال اُن کی بڑائی اور عظمت کا زیادہ قائل ہوتا رہا۔ آپ ایک صلح جو اور صاف دل انسان تھے۔ نزاعی معاملات میں خود کبھی ملوث نہیں ہوتے تھے اور اُن سے دور رہنے کی نصیحت فرماتے تھے۔ قومی خدمت کو اپنا خوشگوار فریضہ سمجھ کر ادا کرتے تھے۔

مرحوم فضل الٰہی صاحب بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے لئے خیر سگالی کے جذبات رکھتے تھے۔ اور اپنے سے چھوٹوں کی بھی عزت کرتے تھے اور ان کی ہمّت افزائی کرتے تھے۔ آپ جمہوریت پر یقین رکھتے تھے۔ اور جمہوری روایات پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ سوسائٹی کے عام جلسوں اور مجلس منتظمہ کے جلسوں میں جمہوری اصولوں کی پوری پابندی کرتے تھے۔ ہر ممبر کو اظہارِ خیال کی پوری آزادی ہوا کرتی تھی اور اس آزادی کا استعمال

باقی صفحہ ۲۵ پر

شاہین پروین

اِنسان کا کردار اس کی شخصیت کی پہچان ہے

"صِرف انسان کا اپنا کردار ہی وہ چیز ہے جو اُسے بلند کرتا ہے یا پھر پست کرتا ہے کیونکہ جب ایک ہی فرد میں تمام اَوصاف ملتے ہیں تب اِس کا کردار بنتا ہے۔"

بعض افراد کا خیال ہے کہ کردار موروثی چیز ہے۔ اِس لئے اپنا کردار ہم خود نہیں بنا سکتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کردار تو بنایا جاتا ہے۔ ہم ہر لمحہ، ہر پَل اور ہر گھڑی اپنے کردار کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم جو کچھ بولتے ہیں، جو کچھ سُنتے ہیں، جو کچھ سوچتے ہیں، جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں یہ سب ہمارے کردار کی تعمیر کرتے ہیں۔

ایک اچھّے اور بلند کردار کی تخلیق کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے ہر فعل کو بہتر بنائیں۔ ہم جو کچھ بولیں یا کسی سے گفتگو کریں تو یہ سوچ لیں کہ ہم جو کچھ گفتگو کریں گے وہ ہمارے کردار میں شمار کی جائے گی۔ کیونکہ ہم جس سے مخاطب ہوں گے وہ ہماری گفتگو سے اندازہ کرے گا کہ ہم کس کردار کے مالک ہیں۔ ہماری سوچ بھی کردار میں اہم درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ ہم وہی کام کرتے ہیں جو ہم سوچتے ہیں۔ اچھی سوچ ہوگی تو عمل بھی اچھا ہوگا۔ اور جب عمل اچھا ہوگا تو کردار بھی اچھا ہوگا۔ اِس لئے اچھّی سوچ بہتر کارکردگی کی ضامن ہے۔

ایک یونانی فلسفی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دن کے اجالے میں چراغ لئے گلیوں میں گھس جاتا تھا۔ لوگوں نے اُس کی دیوانگی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا۔ "انسان کو تلاش کر رہا ہوں۔" فلسفی کا یہ جملہ دعوتِ فکر ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک انسان کو اس بھری دنیا میں جہاں ہر طرح کے افراد بستے ہیں۔ ایک انسان ملنا مشکل ہے؟ اور یہ سچ ہے کہ حقیقی معنوں میں انسان نظر نہیں آتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انسان کو آدمی سے جدا کرنے والی شے کیا ہے؟ وہ کیا خوبی ہے؟ وہ کیا صفت ہے؟ جس کی بنیاد پر ایک شخص کو دوسرے پر فوقیت دی جاتی ہے۔ انسان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے والا صرف "کردار" ہے۔

انسان اپنے کردار سے ہر جگہ پہچانا جاتا ہے۔ انسان کا کردار ہی وہ بنیاد ہے جس پر اُسے پرکھا جاتا ہے، دولت کے انبار، اعلیٰ شاندار کوٹھیاں، قیمتی موٹر کاریں، لاکھوں کا بینک بیلنس ان میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو انسان کے اچھے یا بُرے ہونے کی پہچان ہو۔ ایک اچھے کردار کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں ہم سے

ذرا سا بھی غلط کام سرانجام نہ ہو۔ ہم بہت چھوٹا سا بھی جھوٹ نہ بولیں، کوئی غلط کام نہ کریں۔ گفتگو صاف ستھری اور پاکیزہ ہو اور اپنے ہر فعل کو اس طرح انجام دیں کہ اس میں برائی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس طرح ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان دے کر اپنے کردار کو اچھا بنا سکتے ہیں۔

ہم روزمرہ کی زندگی میں بہت سے کام ایسے لاشعوری طور پر کر جاتے ہیں جو ہمارے کردار پر اثرانداز ہوتے ہیں لیکن ہم ان کا خیال نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً جب کبھی دو چار افراد مل بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں تو موضوعِ گفتگو زیادہ تر دوسروں پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اگر کبھی کسی کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس شخص کی برائیوں پر بڑھ چڑھ کر روشنی ڈالتے ہیں تو کیا ہمارا یہ طرز کلام اور غیبت ہمارے منطقی کردار کی نشاندہی نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کبھی امتحانات ہوتے ہیں تو زیادہ تر طلباء نقل کی فکر میں لگے ہوتے ہیں۔ اگر نقل کا موقع مل جاتا ہے تو صرف ایک آدھ سوال مشکل سے نقل کر سکتے ہیں لیکن اگر اسی دوران (نقل کرتے ہوئے) کسی استاد یا کسی اور طالب علم نے ان کو دیکھ لیا تو وہ یہی رائے قائم کریں گے کہ ان کا کردار اچھا نہیں ہے۔ یہ اپنے آپ کو، استاد کو اور والدین کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ نالائق اور کاہل ہیں جبھی پہلے سے تیاری نہیں کی۔ اب آپ خود سوچیں چند نمبروں کی خاطر کردار پر کتنا بڑا دھبہ پڑا۔

غرض اپنی زندگی میں ہم ان چھوٹی چھوٹی سی لغزشوں اور برائیوں سے اجتناب کرکے اور ننھی ننھی اچھائیوں کو اپنا کر اپنے کردار کو جلا دے سکتے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ ہمیں اچھے کام کرنے کی عادت سی پڑ جائے گی اور ہمارا کردار نکھر کر قابل رشک بن جائے گا۔ بطور علامہ اقبالؔ۔

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

بقیہ "فضل الٰہی"

بھی ہوا کرتا تھا۔ معاملات عام طور سے افہام و تفہیم سے ہی طے ہوا کرتے تھے۔ لیکن آپ غیر ضروری بحث و مباحثہ کی ہمت افزائی نہیں کرتے تھے۔ اور مجلس منتظمہ کے جلسے جن کا ایجنڈا نو یا دس آئٹم پر مشتمل ہوتا تھا پینتالیس یا پچاس منٹ میں ختم ہو جاتے تھے۔ فیصلے عموماً متفقہ ہوتے تھے اور ہم میں سے ہر ایک ممبر یہ محسوس کرتا تھا کہ فیصلے اُس کی دلی منشاء کے مطابق ہوئے ہیں۔ ہم ایک ٹیم کی طرح کام کرتے رہے ہیں۔

جناب شیخ فضل الٰہی صاحب صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے ضعیفی کے باوجود نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے عادی تھے۔ آخر وقت میں بھی ۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو مغرب کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد واپس گھر آ رہے تھے کہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

حقیقتاً آپ کی پوری زندگی قربانی اور خدمت کا نمونہ تھی۔ قوم کے ایسے نوجوانوں کے لئے جو قومی خدمت کو اپنا شعار بنانا چاہتے ہیں آپ ایک آئیڈیل ہیں۔

بقیہ "نوجوانوں کی اخلاقی ذمہ داری"

نہیں گر رہے ہیں۔ یہ آجکل کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے عمل اور کردار سے ایک روشن مثال قائم کریں تاکہ اُن کو دنیاوی اور اخروی دونوں سعادتیں حاصل ہوں۔

Scanned with CamScanner

سیما صُبوحی

آؤ آرزو کی تکمیل کریں....

بحیثیت ایک فردِ برادری ہم میں سے ہر ایک کو اپنی برادری سے جو اُنس اور لگاؤ ہے اس میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے ذہن وقلب میں برادری کی فلاح وبہبود کا لازوال جذبہ رکھتا ہے اور اس کی ہمہ جہت ترقی اور خوشحالی کا متمنّی ہے۔ ہم سب ہی چاہتے ہیں کہ برادری من حیث المجموع ترقی وکامرانی سے ہمکنار ہو۔ برادری میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں۔ ہر فردِ برادری باکاروبار یا روزگار ہو۔ کسی کی دست نگر نہ ہو۔ اور سبھی کم وبیش ایک ہی سطح پر آجائیں۔ زکواۃ دینے والے زکواۃ ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ کوئی فردِ برادری ناخواندہ نہ رہے۔ ہمارے نوجوان اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اونچے اونچے عہدوں اور مناصب پر سرفراز ہوں۔ من حیثیت برادری ہمیں اپنے معاشرے میں باعزت مقام حاصل ہو۔ ملکی معاملات اور سیاسیات میں ہمارا حصّہ ہو۔ ہماری بات توجہ سے سنی جائے۔ اور اس پر کان دھرے جائیں۔ ہماری برادری ایک پاکیزہ اور صاف ستھرے اور آبرومندانہ معاشرے میں ڈھل جائے جہاں اخلاقی اور دینی اقدار کارفرما ہوں۔ احترام آدمیت ہو، سادگی اور پُرکاری ہو۔ رسم ورواج آسان سے آسان تر ہوں اور اُن کی انجام دہی میں کسی کو بھی زحمت یا زیرباری سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ ہماری کوئی بچی سنِ بلوغت کو پہنچنے کے بعد رشتہ مناکحت کے انتظار میں بیٹھی نہ رہے۔ ہمارے کسی بھی گھر میں کوئی رات کو بھوکا نہ سوئے۔ ہمارا کوئی برادر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔ ہمارا کوئی بچّہ بیکار نہ رہنے پائے۔ ہماری دنیا بھی اچھی ہو اور عاقبت بھی۔ یہ ساری تمنائیں اپنی اپنی جگہ بڑی اچھی اور دل خوش کن ہیں ان میں سے ہر ایک خواہش ایسی ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

مگر۔۔۔ مگر کیا صرف خواہش کا دل میں پیدا ہونا اور تمناؤں کا آکر لبوں پر مچل جانا ہی کافی ہوتا ہے۔ کیا محض سوچ لینے سے یا اس کا اظہار کردینے سے وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے؟؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔

خالق کائنات کے اپنے کچھ متعین اصول اور ضابطے ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ محض خواہش کا اظہار کرنے پر آسمان کے تارے ٹوٹ کر ہماری گود میں آگریں۔

یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں پہلے سوچا جاتا ہے۔ چاہا جا
ہے۔ پھر اس کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔ جی جان سے اور تن من

سے کوشش کی جاتی ہے تب کہیں پتّہ ماری اور عرق ریزی کے بعد کچھ حاصل ہوتا ہے۔ افراد کی اپنی بہتری اور ترقی کی بھی کوشش و کاوش سے مشروط ہے۔ اور معاشروں اور سوسائٹیوں کی بہتری اور ترقی کے لئے بھی شرطِ اوّل ہے۔ ہمیں برادری سے کتنا ہی انس اور لگاؤ کیوں نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

برادری کوئی "بُت" نہیں ہے جسے سنگھاسن میں رکھ کر اُس کی پوجا کی جائے۔

برادری آسمان پر چمکنے والا وہ "چاند" نہیں ہے جسے دیکھ دیکھ کر سرد آہیں بھری جائیں۔

برادری پہاڑوں کے اوپر جمنے والی "برف" نہیں ہے کہ سورج کی کرنیں اُس پر منعکس ہوں اور ہم دُور کھڑے اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کریں۔

برادری نام ہے ایک "ماحول" اور ایک چاردیواری کا، یہ ماحول پیدا کیا جاتا ہے اور یہ چاردیواری تعمیر کی جاتی ہے، از خود نہیں بن جاتی۔ اگر ہمیں واقعتاً برادری عزیز ہے اور اس کی آبادی اور ترقی دل سے مطلوب ہے تو ہمیں اس کے لئے سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ سوچنا ہی نہیں کچھ نہ کچھ کرنا بھی ہوگا۔ ہمیں وہ ماحول برپا کرنا ہوگا جو برادری کی بقاء اور فلاح کے لئے ضروری ہے، اور پھر ہمیں ماحول کی برقراری کے لئے محنت اور جدوجہد بھی کرنی ہوگی۔ اگر ہم حقیقتاً برادری کو "برادری" بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے دلوں میں بھائی چارے کا جذبہ ابھارنا ہوگا۔ محبت اور شفقت کی جوت جگانی ہوگی۔ دلوں میں سوز وگداز اور نگاہوں میں چمک پیدا کرنی ہوگی۔ اپنی باہیں کھولنی ہوں گی۔ باہمی رقابتیں اور شکوک وشبہات دُور کرنے ہوں گے۔ دوسروں کی تکلیف پر تڑپنا ہوگا۔ اونچ نیچ اور بہتر و کمتر کے امتیازات کو مٹانا ہوگا۔ جو اونچے ہیں انہیں جھکنا ہوگا۔ جو نیچے ہیں انہیں ایڑیاں اٹھا کر قد آور کے برابر لانا ہوگا۔

برادری کا وہ تصوّراتی ماحول ایسا ہوگا جس میں ایک کی خوشی سب کی خوشی اور ایک کا غم سب کا غم سمجھا جائے۔ جنازے کو کاندھا دینے والے ہوں، دُور کے بھی نزدیک کے بھی دلہن کو پالکی یا گاڑی سے اتارنے والے بھی سب ہی ہوں دُور کے بھی اور نزدیک کے بھی۔ اپنی بستیوں کے نام اور لیبل بدلنا ہوں گے۔ ہر بستی کا ایک ہی نام ہوگا "برادری کی بستی" اور بس۔ یہ بستی ایسی ہوگی جو دُور ہی سے پہچان لی جائے گی کہ ہو نہ ہو یہ تو برادری کی بستی ہے، کیونکہ اس میں کوئی اترا کے نہیں چلتا۔ کوئی زمین پر قدم نہیں مارتا۔ کوئی اونچی پگڑی نہیں باندھتا، کوئی شیخی نہیں بگھارتا۔ کوئی دولت کی پھلجھڑیاں نہیں چھوڑتا۔ کوئی کسی پر طنز واستہزا کے چھینٹے نہیں پھینکتا۔ کوئی کسی کے بخیئے نہیں اُدھیڑتا۔ کوئی کسی کے جسم میں کیڑے نہیں ڈالتا۔ یہاں سب بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جُل کر رہتے ہیں۔ اونچ نیچ اگر ہے بھی تو وہ خدائی کارخانہ ہے۔ کوئی خزانوں سے مالامال ہے تو ہوا کرے۔ اگر کوئی چکّی پیس کر گزارہ کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ان دونوں کی دیواریں ایک دوسرے سے ملحق ہیں اور اُن کے مابین حسد و رقابت یا تحقیر یا تفاخر کا معاملہ نہیں ہے تو پھر سب خیریت ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ ہم قدم سے قدم ملا کے چلیں، وقت کٹ ہی جائے گا اور اچھا کٹ جائے گا۔

برادری میں جو تنظیمی اور رفاہی کام ہو رہا ہے اس کی

Scanned with CamScanner

راشدہ جمیل (بی ایس سی۔ بی ایڈ)

"آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ"

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ ہر روز کی بہاریں اور محفلِ شبانہ

ماں باپ کی محبّت اور ساتھیوں کی الفت
اساتذہ کی عنایت اور اقربا کی اہمیت

ذہانت کے تھے ہر سُو ہمارے چرچے
بہترین ہوتے تھے امتحاں کے پرچے

قابلیت میں تھا بلند مقام اپنا
علم و ہنر میں تھا اونچا نام اپنا

درس و تدریس میں بھی جوہر دکھائے
پرنسپل سے خوب انعامات پائے

اچانک حالات نے پلٹا کھایا
عرش سے ہمیں فرش پر گرایا

نئی انجمن ہے اب اور نئی راہیں ہیں
ذلّت و رسوائی ہے اور آہیں ہیں

اخلاق و کردار کی یاں نہیں اہمیّت
مہر و وفا پر اب ملتی نہیں فوقیت

شکل و صورت میں لوگ عیب نکالتے ہیں
بول چال کی لوگ نقل اتارتے ہیں

بچے بڑے یوں ہنستے ہیں ہم پر
ہوں جیسے ہم اُن سب سے کم تر

عرض کریں کیا ہم ان نادانوں سے
الجھنا بے کار ہے ظلم کرنے والوں سے

گزرا ہوا زمانہ اے خُدا لوٹا دے
ہم خیالوں کی انجمن پھر ہمیں دلا دے

صد شکر خدا کہ نا خُدا ہے پیارا
اور خدا کے بعد ہے اب انہی کا سہارا

ثریّا نجم
پی-آئی-بی کالونی

فلسفۂ دُعا

میرا نشیمن نہیں درگہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو
(اقبال)

دُعا درحقیقت اُس ازلی و ابدی صداقت کے اظہار کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور محض اللہ تعالیٰ ہی ہمارا حقیقی کارساز، مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ ہمیں جو کچھ مل سکتا ہے اسی کے دروازے پر دستک دینے سے ملے گا اور اس کا دروازہ ایسا دروازہ ہے کہ جہاں سے کسی کو دھتکارا نہیں جاتا۔ مہربان آقا۔ اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا) کہہ کر ہمیں دعا مانگنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس کی مرضی یہ ہے کہ انسان مانگتا رہے اور وہ عطا کرتا رہے کیونکہ وہ مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے سے ناخوش۔

دعا مانگنا عین اسلامی فطرت کا تقاضہ ہے۔ چنانچہ جب ہم مبتلائے آلام ہوتے ہیں اور مصیبتیں ہمیں چاروں طرف سے آگھیرتی ہیں تو ہمارے ہاتھ دعا کے لئے بے اختیار اُٹھ جاتے ہیں۔ دل مضطرب ہو تو الفاظ پکار بن کر نکلتے ہیں۔ بے ساختگی کے عالم میں نکلی ہوئی یہی آواز دعا کہلاتی ہے۔

اللہ کا تصور ایک بلند اور عظیم ترین ہستی کا تصوّر ہے۔ فقط اسی ذات کو پکارنے سے انسان کا شرفِ انسانیت محفوظ رہ سکتا ہے اور اپنے جیسوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلّت سے بچ رہتا ہے۔

دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں دعا کا تصور پورے خدوخال کے ساتھ موجود ہے۔ بلکہ مذاہب کا نقطۂ ارتقاء ہی دُعا ہے اور مذہب کی باقی عمارت بھی اسی پر مبنی ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اتنے ہی عبادت کے طریقے موجود ہیں۔ ان میں اگر کوئی شے مشترک ہے تو وہ صرف دعا ہے۔

دعا اپنے وجود اور بقاء کی شہادت سے اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ یہ عبث اور بے فائدہ عمل نہیں۔ اگر دعا بے فائدہ ہوتی تو انسان اس عمل کو بار بار نہ کرتا۔ کیونکہ کوئی ذی شعور بے ثمر حرکت کا اعادہ پسند نہیں کرتا۔ اور اس طرح یہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتی۔

دُعا کی اہمیت و افادیت
فلسفیوں کی نظر میں

دعا کے متعلق ہمیشہ اربابِ بصیرت کی یہی رائے رہی ہے کہ یہ ایک مفید عمل ہے۔ فلسفہ کی تاریخ یونان سے شروع ہوتی ہے اور سقراط یونان کا ایک عظیم فلسفی تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اسی کی ذات سے یونانی فلسفہ کی نمود ہوئی۔

Scanned with CamScanner

سقراط کا دعا کی حقانیت پر کامل ایمان تھا اور اسی ایمان پر اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ توحید و حق گوئی کی پاداش میں جہلا نے اس بزرگ فلسفی کے لئے سزائے موت تجویز کی اور عدالت نے اس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ آخری سفر آخرت کی تیاری تھی۔ زہر کا پیالہ سامنے رکھا تھا۔ بزرگ فلسفی کے ضمیر نے رہنمائی کی۔ زبان سے بے اختیار نکلا۔

مجھے ضرور خدا سے دعا مانگنا چاہیئے کہ میرا اس دنیا سے اگلے جہان کا یہ سفر کامیاب رہے اور آبرومند ہو۔ بس یہی اور یہی میری دعا ہے۔ لب دعا سے ہل رہے تھے اور چہرے کا رنگ نکھرتا جا رہا تھا کہ ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور اپنے وقت کے بہت بڑے انسان نے زہر کے تلخ جام کو اپنے منہ سے لگا لیا۔

افلاطون کی موت نے ارسطو کے لئے فلسفے کا میدان خالی کر دیا۔ ارسطو کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ زمانہ اس کے خلاف ہو چکا تھا۔ یوریمیڈن نامی ایک پروہت نے الزام لگایا کہ ارسطو نے کہا ہے۔ دعاؤں اور قربانیوں میں کچھ نہیں رکھا اور یہ بے سود ہیں۔

الزام درست تھا یا غلط، تاریخ اس کی وضاحت نہیں کر سکی۔ ارسطو نے نہ تردید کی اور نہ ہی تائید بلکہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ ایک مقام پر پہنچا تو بیماری نے آ گھیرا۔ دیو جانس لارٹس کے بیان کے مطابق چونکہ زمانے کی ہوا اپنا رخ بدل چکی تھی اور حالات ناسازگار تھے لہٰذا رحمتِ رب سے مایوس فلسفی نے زہر پی لیا۔

شاید یہ دعا سے انکار کی سزا تھی۔ ورنہ کہاں ایک فلسفی اور کہاں خودکشی کا مذموم عمل۔ سقراط کی شہادت میں جس قدر عظمت، جلالت اور وقار ہے اسی قدر ارسطو کی خودکشی میں بزدلی ہے۔

ارسطو نے بھی وہی زہر پیا جو اس سے پہلے سقراط کے گلے سے اتر چکا تھا دونوں کے زہر پینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت علی اور صحابہ کرام کی نظر میں دعا کی حکمت اور افادیت:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسی حقیقت سے وجود الٰہ پر حجت قائم کرتے ہیں۔ آپ کا مشہور قول ہے۔

"میرے کچھ ارادے تھے جو پورے نہ ہو سکے اور میرے کچھ عزائم تھے جو ٹوٹ گئے، حالانکہ میں نے پوری کوشش کی تھی اور صحیح طریق کار اختیار کیا تھا۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ مجھ سے بالا کوئی ہستی ضرور ہے جب تک وہ نہ چاہے کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔"

دعا یقیناً ہمارے عزائم اور ہمارے ارادوں کو کامیابی سے اور کامرانی سے ہمکنار کرنے میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی آخری کتاب میں جنگ میں فلاح اور کامرانی کے لئے عمل یعنی ثابت قدمی کے ساتھ ہی ذکر اللہ یعنی دعا ضروری قرار دی ہے۔

مسلمان مفکرین کی نظر میں دعا کی حکمت اور اہمیت:۔

حکمائے اسلام کو جس قدر دعا سے انس تھا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ جابر بن حیان صرف کیمیا دان ہی نہیں تھے بلکہ مستجاب الدعوات صوفی بھی۔ ابو القاسم زہراوی، ابن سینا، البیرونی، الغزالی اور امام رازی سب بزرگ توفیق الٰہی کی طلب سے اپنے کو بے نیاز نہیں سمجھتے تھے۔ تجربہ گاہوں میں جہاں کیمیاوی عمل کیے جاتے تھے وہاں دعا کے روحانی عمل کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ قرآن پاک نے جہاں

Scanned with CamScanner

ارض و سماء کے مناظر و مظاہر میں تدبر کرنے والوں کا ذکر کیا ہے وہاں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ اُن کی دعا مانگنے کی عادت قابل تقلید ہے۔

کتاب اللہ میں مزید بتایا گیا ہے:-

ان کے شرک کی صورت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنی عقلمندی کی بدولت محفوظ رہتے ہیں (نعوذ باللہ) اس میں خدا تعالیٰ کا کہاں ہاتھ ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (القرآن)

"واقعی انسان اپنے پالنے والے کا بڑا ناشکرا ہے۔"

دنیا کا امن ہو یا دل کا چین دعا ہر جگہ اپنا بے پناہ اثر رکھتی ہے۔

دعا اطمینانِ قلب کا ایک بہترین ذریعہ ہے

دعا اطمینانِ قلب کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں جو دعائیں بھی کی جائیں گی اُن میں غیر ضروری خواہشات کا دخل نہیں ہوگا۔ دعائیں ہماری آرزوؤں تمناؤں اور خواہشات میں نکھار پیدا کرتی ہیں اور ہمیں قناعت کی دولت بخشتی ہیں۔ دعا کا سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ اس سے اطمینانِ قلب کی نعمت خود بخود حل ہو جاتی ہے۔ دل میں ایک قسم کی طمانیت، کشادگی اور رنج والم کے بعد انسان فرحت وانبساط محسوس کرتا ہے۔

دعا کی حکمت کا ایک پہلو خوب واضح کرتا ہے کہ اگر ہم خوشی کو براہِ راست منتہائے مقصود نہ بنالیں تو خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ ہم جب اپنا مطمح نظر براہِ راست مسرت کو بنالیتے ہیں یا تجزیہ کرنے لگتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔ ذہنی کوفت ہوتی ہے اور ہم دکھی ہوتے ہیں۔

اسلام کا تصورِ دعا

اسلام فطرت کے مطابق بالکل سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اس میں تکلفات کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ دعا کے متعلق جو تکلفات دیگر مذاہب کے دنیا دار رہنماؤں نے قائم کر رکھے تھے اُس نے ان کو دور کر دیا۔ اور ان پردوں کو ہٹا دیا جو کہ دعا کے روئے حقیقت پر پڑے ہوئے تھے۔ مذہب جب رسومات اور تکلفات کا گورکھ دھندا بن جائے تو نہ صرف اپنے ماننے والوں کے لئے تکلیف اور مصیبت کا باعث بن جاتا ہے بلکہ اوروں کے لئے بھی تلاشِ حق میں بڑی تکلیف ہوا کرتی ہے۔ اور جو لوگ توہمات اور اصل دین میں امتیاز نہیں کر پاتے وہ غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔

دعا اور عبادت صرف نیک، پاکباز اور خدا رسیدہ انسان کی قبول ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین عبادت مَن کے مندر میں ممکن ہے نہ کہ عام اینٹ پتھر کے مندروں میں۔ عبادت بس وہی ہے جس میں عرفانِ حق اور اطاعت کا پُرخلوص جذبہ کارفرما ہو۔

اللہ تعالیٰ مجیب الدعوات ہے، وہ ہر شخص کی دعائیں سنتا ہے۔ نیک کی بھی اور گنہگار کی بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے دعا سنتا ہے خواہ وہ بلند آواز سے پکارے یا آواز خفی کے ساتھ۔ کیونکہ وہ سمیع اور علیم ہے یعنی دعاؤں کا سننے والا اور دلوں کے ارادوں، خواہشوں اور واردات کا جاننے والا ہے۔

وہ انسان سے دور نہیں بلکہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ دعاؤں سے اکتا نہیں جاتا بلکہ جب کوئی نہ مانگے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسانوں

Scanned with CamScanner

سے کچھ مانگا جائے تو وہ بگڑتے ہیں۔ کثرتِ سوال اس کے خزانے میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ بن مانگے بھی دیتا ہے اور حیا کرتا ہے اپنے بندے سے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے اور ان ہاتھوں کو خالی پھیر دے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے لیکن شرک یعنی اس کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے یہ اُسے قطعی پسند نہیں۔

اسلام نے توحید اور ردِ شرک پر بہت زور دیا ہے بلکہ قرآن نے اپنا تمام زورِ بیان اسی مسئلہ پر صرف کیا ہے کہ خدا ایک ہے اور صرف اسی کو پکارنا چاہیئے۔ بتوں سے مرادیں مانگنا عبث ہی نہیں بلکہ نجات اُخروی سے محروم کرنے والا گناہ ہے۔

جو لوگ ماسوائے اللہ یعنی مٹی اور پتھر کے بتوں سے دعائیں مانگتے ہیں وہ حقیقت میں سطحِ انسانیت سے گرے ہوئے ہیں۔ ان کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ وہ انسان نہیں حیوان ہیں بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔

یاد رہے قرآن پاک نے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے والوں کو انسان کہا ہے۔ اسی طرح اسلام میں رہبانیت بھی نہیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا ہے۔ اسلام کا تقاضہ ہے کہ انسان دعا بھی مانگے اور کام بھی کرے۔ زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ تنازع للبقا کا بازار گرم ہے۔ اور یہاں بقاء اصلح کا ازلی اور ابدی قانون جاری و ساری ہے۔ حرکت ہی میں برکت ہے۔

واقعی اگر سیلِ حیات میں حرکت نہ رہے تو زندگی گندگی کا جوہڑ بن کر رہ جائے۔ عملی زندگی سے فرار حقائقِ حیات کا منہ چڑانا ہے اور اپنی بے مائیگی کا بدترین اعتراف۔

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی
نہیں شکست اگر تو اور کیا ہے شکست

اسلام فطری تقاضوں کا ساتھ دینے والا مکمل دین ہے اس لئے اس میں دعا سے متعلق غلط رجحانات کی پوری روک تھام کر دی گئی ہے۔

آنحضرتؐ نے جس دعا پر زور دیا ہے اُس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی خواہش کی گئی ہے۔ گویا اسلام میں دنیا اور آخرت دونوں اہم ہیں۔

دُعا کے اثرات عملی زندگی پر

دعا اطمینانِ قلب کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں جو دعائیں بھی کی جائیں گی ان میں غیر ضروری خواہشات کو دخل نہیں ہوگا۔ دعائیں ہماری آرزوؤں، تمناؤں اور خواہشوں میں نکھار پیدا کرتی ہیں اور ہمیں قناعت کی دولت بخشتی ہیں۔ دعا کا سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ اس سے اطمینانِ قلب کی نعمت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

دعا کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب ہم دعا مانگتے ہیں تو اس وقت صرف دل کا اطمینان ہمارا مطمحِ نظر نہیں ہوتا بلکہ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ وہ مصیبت دور ہو جائے یا کوئی آرزو پوری ہو۔ چنانچہ دعا کے بعد خواہ مصیبت دور ہو یا نہ ہو، آرزو پوری ہو یا نہ ہو دل کو تسلی ضرور ہوتی ہے۔

دعا صحت یابی کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دے سکتی ہے۔ جب مریض خود دعا مانگتا ہے تو خود تازی سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب دوسرے لوگ اُس کی خاطر دعا کرتے ہیں تو بھی اسے القائے ذریعہ اطمینان اور آرام کی کیفیت

نصیب ہو جاتی ہے۔ بیمار کے لئے دعا کرنا ہمدردی کا بہترین انداز ہے اور صرف ہمدردی نصف بیماری کو دور کر دیتی ہے۔ بقول علامہ

وقت پر ایک لفظ ہمدردی
ابن مریم کا کام دیتا ہے

کوئی انسان دعا سے بڑھ کر زیادہ طاقتور قوت پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ ایک قوت ہے جو اتنی ہی حقیقی ہے جتنا کہ کشش ثقل۔ دعا ہماری ذہنی صحت کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اور جس قدر بھی نفسیاتی امراض ہیں یہ ان کا بہترین علاج ہے۔ ایک امریکی ماہر نفسیات اے اے برل نے کہا ہے۔

جو شخص صحیح معنوں میں مذہب کا پابند ہوتا ہے کبھی اعصابی اور ذہنی امراض کا شکار نہیں ہوتا۔ جب کہ مذہب میں دعا کو اولیت حاصل ہے۔

دعا احساسِ کمتری کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ جب اس احساس کی شدت ہو تو اسی وقت دل میں خدا سے دعا مانگ لی جائے۔ دعا مانگتے وقت وہ خوف بھول جاتا ہے جو احساس کمتری کی پیداوار تھا اور انسان کو خود اعتمادی نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسے یقین ہوتا ہے کہ جس ذات سے میں مدد مانگ رہا ہوں وہ سب پر غالب ہے۔ اسی برتر ہستی کی مدد کے شامل حال ہونے کا جب یقین ہو تو پھر دل میں خوف وہراس کی گنجائش نہیں رہتی۔

دعا خدا کی معیت اور مدد کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ اسی لئے ہر قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت اس کا اثر خوب ظاہر ہوتا ہے۔

دعا کی سب سے بڑی خوبی اور بہترین ثمر انقلاب نفس ہے کیونکہ اُس ہی ذات سے دعا کے بعد انسان، ظلمت سے نور کی طرف پستی سے بلندی کی طرف اور ملوثات سے پاکیزگی کی طرف آجاتا ہے۔ نیک خواہشات، حضورِ قلب اور رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کا احساس مل کر یقیناً انسان کی سیرت میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔

اسلام نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت بسم اللہ کی دعائیہ آیت کی تلاوت کر لینی چاہئیے۔ اس کی تلاوت سے نہ صرف کام میں برکت ہوگی بلکہ پڑھنے والا کوئی ناجائز کام کرتے ہوئے پرہیز کرے گا کیونکہ بُرا کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتے وقت اُسے خجالت محسوس ہوگی۔ اور اس طرح وہ ارتکاب گناہ سے بچ جائے گا۔ بسم اللہ بھی ایک دعا ہے۔

اسلام نے سلام پر بھی زور دیا ہے۔ یہ ایک دعائے خیر ہے۔ گویا ایک دوسرے سے ملتے وقت دعائے خیر کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح سلام انسان دوستی اور خیر سگالی کا بہترین ذریعہ ہے۔

غرض یہ کہ دعا اپنے دامن میں بے شمار خوبیاں رکھتی ہے۔ چنانچہ سب مذاہب نے اس کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے شاید ہی کوئی ایسا مذہب ہو کہ جس میں دعا کی ترغیب نہ دی گئی ہو۔

"بقیہ:- آرزو کی تکمیل"

ضرورت و اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ تاہم باہمی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرنا بھی ضروری بلکہ اشد ضروری کام ہے جس پر توجہ دی جانی چاہیئے۔ کیونکہ برادری کی مشعل جلانے اور جلتے رکھنے کے لئے روغن کی ضرورت ہے وہ یہی ہے۔ کاش اس جانب بھی توجہ مبذول کی جائے۔ جماعتی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی۔

ہم چلے تھے جانبِ منزل اکیلے ہی مگر
لوگ آتے رہے اور کارواں بنتا گیا

Scanned with CamScanner

ہم اور ہمارا اخلاق

کائنات میں ارتباطِ باہمی کو اہم مقام حاصل ہے۔ جس قدر ارتباطِ باہمی کا رشتہ مضبوط ہوگا اسی قدر کائنات کی ترقی کو فروغ حاصل ہوگا۔ یہ ارتباطِ باہمی منحصر ہے ذوقِ اخلاص اور اخلاصِ کار پر۔ ہمیں اپنے اخلاصِ کار کے سلسلے میں جو چیز پیشِ نظر رکھنا چاہیئے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔ حسنِ اخلاص کا جو بھی تحفہ ہو وہ مکمل رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ اس کے سوا کوئی بھی غرض و غایت ہرگز نہ ہو۔ قرآن پاک میں بار بار اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے اور زندگی گزارنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام کیا جائے وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ کسی دنیاوی غرض اور نمود و نمائش کے لئے نہ ہو۔ اس سے کوئی نفع کمانا اور معاوضہ طلب کرنا مقصود نہ ہو بلکہ اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اس کی حکمتوں کے مطابق ہو۔ اسی کا نام اخلاص ہے۔

اخلاص ہی دین و دنیا کی کامیابی کی کنجی ہے۔ کوئی ظاہر میں کتنا ہی بڑا کام انجام دے، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد دنیا طلبی یا کوئی اور ذاتی غرض تھی تو اس کی وقعت فوراً لوگوں میں گر جائے گی۔ یہی حال دربارِ خداوندی کا ہے۔ اگر کوئی بڑی سی عبادت بھی کی جائے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاجو[illegible] کے خلاف کچھ اور ہو تو ظاہر ہے بڑی سے بڑی عبادت دربارِ حق میں ٹھکرا دی جائے گی بلکہ حدیث میں آیا ہے ایسی عبادت منہ پر مار[illegible] جائے گی۔

خدمتِ خلق ہو یا عبادت، معاملات ہوں یا معاشر[illegible] ہر کام اور عمل میں اخلاص کا ہونا شرطِ اوّل ہے۔ اخلاص اور [illegible] نیت اگر کسی کام میں نہیں ہے تو وہ کام دنیاوی تعریف اور [illegible] سے بھی خارج، روحانی خیر و برکت اور اجر سے بھی محروم ہے۔ [illegible] وجہ تھی جو کام بھی صحابہ کرام کرتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کی خوش[illegible] کے لئے ہوتا تھا۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، لین دین، شاد[illegible] دکھ سکھ، غمی و شادی۔ اُن کی محبت اور اُن کا جینا مرنا، [illegible] قدل سب اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوا کرتا تھا۔ اس غرض کے [illegible] کوئی اور غرض نہیں تھی۔

آیئے ہم صحابہ کرام کے اخلاص کو مدِنظر رکھتے ہو[illegible] خود کو ٹٹولیں کہ آیا بچے کی پیدائش دانش سے لے کر [illegible] بیاہ تک ہمارے اخلاص کی قدریں ہمارے صحابہ کرام [illegible] عین مطابق ہیں یا نہیں۔

پیدائش و افزائش

آپ ذرا غور فرمائیے کہ جب بچّے کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو ہم نام و نمود کی خاطر اپنی قدروں کو نمائش کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ بچّے کی پیدائش سے پہلے ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے شہرت یافتہ ہسپتال میں زچگی ہو تاکہ برادری پر یہ ظاہر ہو سکے کہ ہم کسی بڑے سرمایہ دار سے کم نہیں۔ اس چھوٹی سی تقریب میں بڑی شان و شوکت سے خرچ کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایسی بہنیں بھی ہیں جن کی زچگی چھوٹے سے ہسپتال میں بھی کرانے کی لوگوں میں استعداد نہیں ہوتی۔ اُن کی زچگی گھروں میں ہی ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک طرف احساسِ برتری اور دوسری طرف احساسِ کمتری۔ کیا یہی ہمارا اخلاص ہے۔ ہم حقیقتِ حال کا موازنہ کریں اور ٹٹولیں کہ ہماری نام و نمود اور نمائش کی وجہ سے کتنے معصوم دل احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ ہم اپنے بے جا اسراف سے اپنے غریب بہن بھائیوں کی دل آزاری سے گریز کریں۔ یہی ہمارا اخلاصِ عمل ہو۔ اور اسی میں اللہ کی خوشنودی ہے۔

شعبۂ تعلیم

میں اب شعبۂ تعلیم کی طرف آتا ہوں۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ قوم میں جہالت دُور کرنے میں جناب شیخ محمد مقصود کا نمایاں کردار رہا ہے۔ اُن کی کوشش تھی کہ قوم کا ہر بچّہ تعلیم یافتہ ہو اس کے لئے انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ شیخ صاحب نے قوم کے بچّوں کو تعلیم کے شوق کے ساتھ ساتھ تعلیم کے حصول کے لئے ہر طرح کی مدد کی۔ تعلیم کی قدر کی اور تعلیم یافتہ افراد کو عزت بھی دی۔ یہ اُن کا اخلاصِ عمل تھا۔ اُن کی اس کوشش سے کل کے بچّے آج باوقار انجینئرز، ڈاکٹرز، پروفیسرز اور انجینئرز ہیں۔

اب تو ماشاءاللہ تعلیم عام ہے تعلیم حاصل کرنے کا مقابلہ بھی خوب ہے ہمارا نوجوان طبقہ برادری کے ہر فرد کو تعلیم دلانے کے لئے سرگرداں ہے تاکہ ہماری قوم تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے ان کی یہ کوشش نام و نمود کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ یہی ہمارا اخلاص ہے۔ اور آج کی یہ تقریب بھی قوم میں تعلیم عام کرنے میں مشعلِ راہ ہے۔

جو مقابلہ تعلیم کے حصول کے لئے ہو رہا ہے اگر میں یہ کہوں کہ اس میں نام و نمود اور نمائش بھی شامل ہو گئی ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ زیادہ تر ہمارے بچّے جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ غریب یا متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں آسانیاں ہیں اور بیجا اسراف نہیں ہے۔ لیکن ہمارا دولت مند طبقہ بجائے اس کے کہ حصولِ تعلیم میں وہ ان بچّوں کی کچھ مدد کریں اور حوصلہ دیں انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرتے ہیں۔ وہ اپنی شان و شوکت دکھانے کے لئے اپنے بچّوں کو بڑے سے بڑے اسکول میں تعلیم دلاتے ہیں خواہ ان اسکولوں میں معقول تعلیم ہو یا نہ ہو ان کا منشاء یہ ضرور ہوتا ہے کہ اُن کے بچّے نام و نمود اور شان و شوکت میں کسی سے بھی کم نہ ہو۔ خواہ ان کے غریب بہن بھائیوں کے بچّے کتنے ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں۔ میں آپ سے بڑے ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اپنے غریب بہن بھائیوں کے بچّوں کو اس ذہنی اذیت سے بچائیں۔ اسی میں

اللہ کی خوشنودی ہے اور یہی ہمارا اخلاص ہے۔

تعلیم و تربیّت سے آراستہ لیکن بدقسمت بچّیاں

میں اب اُن تعلیم یافتہ بچّیوں کی طرف آتا ہوں جو تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے برادری کے غریب گھر سے تعلق رکھتی ہیں۔ برادری کے سرمایہ پرست جن کو خوفِ خدا نہیں ہے ان ہونہار، تعلیم یافتہ، محنتی اور جفاکش بچّیوں کو جو صورت شکل تو کیا گھریلو کام کاج، تعلیم اور ہنرمندی سے بے نیاز ہیں مگر دَولت کی پشت پناہی نے انہیں دامِ عروج کو پہنچا دیا ہے۔ کیا یہی اخلاص ہے۔ کیا اس میں اللہ کی خوشنودی ہے۔ بقول میرے والد صاحب کے شیخ محمد مقصود کے زمانے میں تعلیم کا بول بالا تھا۔ اب اس دَور میں سرمایہ داری کا بول بالا ہے۔ اے لوگو! ڈرو اس وقت سے کہ اللہ تعالیٰ جو عزت و ثروت دیتا ہے کہیں وہ اس سے واپس نہ لے اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑے۔

جہیز کا مسئلہ

جہیز کا مسئلہ غریب ماں باپ اور اُن کی بچیوں کے لئے بڑا نازک اور پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ قوم کی بچیاں جس کی وجہ سے بدنصیبی کا شکار ہو رہی ہیں۔ سرمایہ دار تو جہیز کی سُنہری جھلک دکھا کر بَر خرید لیتے ہیں۔ ان سرمایہ داروں میں بھی بڑا مقابلہ ہے۔ بڑے سے بڑا جہیز دینے کے لئے لڑکے کی بولی لگاتے ہیں۔ جہیز میں کیا کچھ نہیں دیتے۔ بھاری زیورات سیکڑوں قسم کے ملبوسات۔ کار، وی سی آر۔ ٹی وی، ریفریجریٹر، ڈیپ فریزر، گیزر، واشنگ مشین، شاندار فرنیچر اور بنگلہ وغیرہ وغیرہ۔ الغرض نام و نمود کی ہر شے۔ اس جہیز کے مقابلے میں ہمارے نوجوان لڑکے اپنی بولی پر کیوں ناز نہ کریں۔ اپنی دلہن کے ساتھ ساتھ دنیا کی آسائش ملتی ہے۔ ان قدروں میں وہ اور اُن کے ماں باپ غریب بچیوں کو کیوں نہ حقارت سے دیکھیں۔ غریب بچیاں اور اُن کے ماں باپ کیوں نہ خود کو احساسِ کمتری میں مبتلا کریں۔ دیکھیے یہ نام و نمود کا پہاڑ بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس کی بلندی کو نہیں روکا گیا تو یقین جانیں برادری کی سیکڑوں تعلیم یافتہ ہونہار بچیوں کے ہاتھ کبھی پیلے نہیں ہوں گے ان کی مانگوں میں صندل کبھی بھی نہیں لگے گا۔ اُن کے سروں میں چاندی چمکے گی۔ وہ اور اُن کے ماں باپ حسرت و یاس لے کر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہماری قوم کے نوجوان اس جہیز کی لعنت کو ختم نہیں کر سکتے، ہاں یہ ختم ہو سکتی ہے اور اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہمارے نوجوان خود کو بکاؤ مال نہ سمجھیں۔ اخلاص کو اپنائیں اور اس طرح اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ جیسا کہ اللہ اُس کے رسولؐ اور صحابہؓ کرام کا منشاء ہے۔

شادی ہال

آجکل شادیاں شادی ہالوں میں ہو رہی ہیں۔ اس میں زیرِ بار صرف لڑکی والا ہی ہوتا ہے۔ اب تو فیشن ہے کہ شادی زیادہ تر شادی ہال میں ہی ہوگی۔ خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو یہ کڑوا گھونٹ اس کو پینا ہی پڑے گا۔ اس کو اپنی عمر بھر کی کمائی کے علاوہ قرض کا بوجھ اپنے سر پر سجانا ہی ہوگا۔ پھر بھی سرمایہ دار کی بچی کی شادی کامیاب اور بیچارے غریب کی بچی کی شادی ماتم کدہ بن

جاتی ہے۔ شادی کے بعد کے تقاضے سرمایہ دار بخیر و خوبی
انجام دیتا رہتا ہے۔ لیکن غریب بچیوں کے ماں باپ کے حالات
حالات ایسے نہیں رہتے کہ لڑکے اور لڑکے کے عزیزوں کی خواہشات
کو نبھا سکیں۔ لہٰذا ناچاقی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خدارا کچھ تو
سوچیں کہ کیوں نہ اخلاص پیدا کریں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی
خوشنودی ہے۔

جتنی مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے سرمایہ داروں کی شادیاں
اُن کے نقطۂ نظر سے اتنی ہی سستی ہو رہی ہیں۔ ۵۰۰ سے لیکر
۲۰۰۰ براتیوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے شادی ہال
کو دو تین مہینے پہلے بُک کرا لیا جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی دور
کیوں نہ ہو، آنے والے کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ برداشت کرنی
پڑے۔ اپنے گھر کی خوشی کے آنگن کو چھوڑ کر شادی ہال کے دوارے
رت جگا کیا جاتا ہے۔ رات کے آخری پہر تک مہمانوں کی واپسی ہوتی
ہے۔ راستے میں چور، ڈاکو، لفنگے اُن کی مہمان نوازی ایسی کرتے
کہ بیچارے زندگی سے کسی کو اپنی روداد بھی نہیں سنا سکتے۔
شادی ہال کے مالک اپنے منہ مانگے معقول دام صرف ایک رات
کی دھوم دھام کے وصول کر لیتے ہیں۔ شادی ہال کے ملازمین
اور اُن کے خاندان والے رات کے کھانے کے ساتھ ساتھ ایک ہفتہ کا
کھانا بھی اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ کھانا بچ جاتا ہے
میزبان خوش ہے کہ خوب مہمان آئے اور کھانے میں برکت ہو گئی
اُس بیچارے کو یہ نہیں معلوم کہ دوری کی وجہ سے اس کے پچاس
فیصد مہمان نہیں آئے۔ اس کے اصل مہمان شادی ہال اور اس
کے گرد و نواح کے لوگ تھے۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے سستا زمانہ ہونے
کے باوجود نکاح شربت، پھول یا پان پر ہوا کرتا تھا کچھ لوگ
کھانا بھی دیا کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر ولیمے میں ہوا کرتا تھا۔ سب
کی عزت قوم میں یکساں تھی۔ قوم کے بزرگ خود بالا ہی بالا رشتہ
طے کرتے۔ یعنی دولہا اور دلہن کے ماں باپ۔ جب رشتہ طے ہو جاتا تھا
تب سب کو معلوم ہوتا تھا۔ قوم کے بزرگ جانتے تھے کہ کس کا نبھاؤ
کس کے گھر ہو سکتا ہے اور کون کیا خرچ کر سکتا ہے۔ وہ سب کا بھرم
رکھتے تھے۔ شادیاں ایسے اپنے گھروں میں چادر اور چار دیواری کو مد نظر
رکھتے ہوئے ہوا کرتی تھیں۔ جتنے اپنے گھر میں لوگ سما سکتے تھے اتنا ہی
بلاوا ہوتا تھا۔ اگر کوئی کھانا دیتا تھا تو صرف ایک کھانا ہوتا تھا۔
میٹھے میں چاول یا کھیر ہوتی تھی۔ قوم کے بزرگ کھانے کا بڑا احترام
کرتے تھے اور احترام کرتے بھی تھے۔ نیچے چاندنی پر دسترخوان بچھایا
جاتا تھا۔ لوگ بڑے با ادب طریقے سے کھاتے تھے۔ کھانے کا زیاں بالکل
نہیں ہوتا تھا۔ اب تو کھانے کی بے حرمتی اتنی ہے کہ اللہ معاف کرے۔
کھڑے کھڑے کھانا کھایا جاتا ہے۔ مہمان ایک ہی مرتبہ اپنی پلیٹ میں
کھانے کے اقسام چُن لیتا ہے۔ جو اس کے مطلب کا ہوتا ہے وہ
کھاتا ہے اور باقی پلیٹ بھری ہوئی چھوڑ آتا ہے۔ بیچارے میزبان
نے کتنے جتن سے یہ انتظام کیا ہوگا، مگر کھانا اس طرح ضائع ہو رہا ہے
اُن کی بلا، وہ بیچارہ مجبور تھا۔ اُس سے یہ سب انتظام کروایا گیا تھا
آئیے ہم اپنے آپ کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے اِس عمل میں خدا
کی خوشنودی ہے یا نہیں۔ اس میں ہمارا اخلاص شامل ہے یا
نہیں۔ اور کیا ہمارا یہ عمل خدا کو پسند ہوگا؟

قرآن پاک میں حُسنِ خلق کی نہایت مؤثر انداز میں
تاکید کی گئی ہے اور اس کے لئے ایک جامع لفظ احسان اکثر مقامات
پر استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن پاک نے اپنے جاننے والوں کو حکم دیا ہے

باقی ص ۴۲ پر

سید سہیل ذکائی
نارتھ ناظم آباد

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضورؐ کی سیرت پر اگر کوئی صاحبِ علم لکھنا چاہے تو کاغذات کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا مگر تعریفِ خداوندی اور تعریفِ محمدیؐ کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور تشنہ رہ جائے گا۔ تاہم میں اپنی کم علمی کے باوجود سیرتِ طیبہؐ کے کچھ خاص خاص پہلوؤں کو آپ کے سامنے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

تاریخِ دنیا میں ایسے ہزاروں، لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونے کے طور پر پیش کی ہیں۔

ایک طرف شاہانِ عالم کے بادشاہوں کے پُرشکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں۔ ایک طرف فاتحینِ عالم کی پُرجلال صفیں ہیں اور ایک طرف شعراء کی بزم رنگینیاں ہیں، ایک طرف دولت مندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدّیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی اولادِ آدمؑ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

غرض دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لئے سامنے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نوعِ انسانی کی فلاح اور ہدایت کی ضامن اور اس کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

بنی نوعِ انسان کی حقیقی بھلائی، اخلاق کی بہتری کے لئے اگر کسی طبقۂ انسانی نے کوشش کی تو وہ انبیائے کرام کا طبقہ ہے۔

فرعون کی ندائے اَنَا ربکم الاعلیٰ کتنے دن قائم رہی مگر موسیٰؑ کے اعجاز کا زمانہ آج بھی معترف ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کتنے دن چل سکے، مگر توریت کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو ہے۔ مکّہ کے ابوجہل، ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں مگر شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانروائی بدستور قائم ہے۔ آپؐ بیک وقت شاہد و مبشّر، نذیر و داعی اور سراج منیر بناکر بھیجے گئے۔ آپؐ دنیا کے آخری پیغمبر تھے۔ اس لئے ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے تھے جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو نہ آنا تھا۔ آپؐ کی تعلیمات دائمی وجود پر رکھنے والی تھیں کیونکہ قیامت تک اسے زندہ رہنا تھا۔ اس لئے آپ کی ذات کو مجموعۂ کمال اور دولتِ لازوال بناکر بھیجا گیا۔

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام پہلو ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔

Scanned with CamScanner

کوئی بھی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالیں تو محمدؐ کے سوا کوئی اور ہستی اس معیار پر اتری ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے

"بے شک تمہارے لئے رسول اکرمؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔" کسی شخص کی زندگی نمونہ اس وقت ہو سکتی ہے جب اس کی صفات حمیدہ اپنے عروج پر موجود ہوں۔ اور چونکہ رسول اکرمؐ کی زندگی کو خود قرآن نے نمونہ قرار دیا ہے۔ اور قرآن وہ واحد کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

"ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

تو بس یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسانی زندگی میں نمونہ صرف آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ ایک اور جگہ قرآن میں آتا ہے کہ۔

"بے شک آپؐ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔"

ان آیات قدسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اکرمؐ کی ذات مبارکہ ایک مکمل اور جامع ذات ہے اور دین و دنیا کی فلاح اسوۂ رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور آپؐ کی عادات کے اتباع پر موقوف ہے۔ آپؐ کی ہستی ایک لافانی کہکشاں کی طرح ہے جو ان گنت صفات سے روشن ہے۔ آپؐ مجسم رحمت اللعالمین ہیں۔ آپؐ شرف انسانیت کے سب سے عظیم مدرس ہیں۔ مساوات آپؐ ہی کی ذات کی مرہون منت ہے۔ معاشرتی انصاف کا باب آپؐ کی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ آپؐ اخوت کے قولی اور عملی نقیب ہیں۔ صبر و استقلال اور عفو و درگزر آپؐ کی عظیم ترین صفات ہیں۔ گویا تمام صفات حمیدہ آپؐ کی ذات میں مجتمع کر دی گئی ہیں۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ایک روشن مینار کے مانند ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی ہمارے لئے صراط مستقیم کا تعین کرتی ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

رسول اکرمؐ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپؐ سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ سورۃ انبیاء میں ارشاد ربانی ہے کہ:۔

"ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

آپؐ کی رحمت زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ کائنات کی ہر مخلوق آپؐ کے دائرہ رحمت سے مستفید ہوتی ہے آپؐ کی رحمت کی عملی تصویر فتح مکہ کے موقع پر ہم کو صاف طور پر نظر آتی ہے۔ آپؐ نے اپنے جانی دشمنوں، قاتلوں اور رہزنوں کو اپنی رحمت سے معاف کر دیا۔ قاتل حمزہ جیسے شقی القلب لوگوں کو بھی اپنی رحمت سے معاف کر دیا۔ ابو سفیان جو قبول اسلام سے پہلے مشرکین اسلام کے جنگی سپہ سالار تھے آپؐ نے ان کو بھی اپنی رحمت سے معاف فرما دیا۔ آپؐ نے عرب کے قانون جنگ میں جو ترامیم فرمائیں وہ آپؐ کی خاص رحمت، شفقت اور ہمدردی کی آئینہ دار ہے۔ آپؐ نے عورتوں، غلاموں، یتیموں اور کم تر حیثیت رکھنے والوں کے لئے جو حقوق بیان فرمائے آج مغربی اقوام ان میں لفظی ترامیم کر کے

انہیں عالمی حقوقِ انسانی کے منشور کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔

"جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ رحم سے محروم رہے گا۔"

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف حضورؐ کی زندگی صلۂ رحمی کی آئینہ دار ہے بلکہ آپؐ نے صلۂ رحمی کو ہی رحم کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ اگر کوئی انسان چاہتا ہے کہ وہ خدا کے رحم سے مستفیض ہو تو ضروری ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے۔

آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا دوسرا بڑا پہلو اخوت و مساوات ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ:۔

"سارے مومن ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو تمام جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔" یعنی آپؐ نے تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند تشبیہہ دی ہے کہ اگر ایک مسلمان تکلیف میں ہو تو رشتۂ اخوت کی وجہ سے دوسرا مسلمان بھی اس تکلیف کو محسوس کر سکے۔

یہ آنحضرتؐ کی شخصیت کا ہی اعجاز تھا کہ آپؐ نے عرب جیسی منتشر قوم کو رشتۂ اخوت میں منسلک کر کے ایک عظیم قوت بنا دیا اور چند سال کے عرصے میں وہ دنیا کی مہذب قوم بن گئے۔ حضور اکرمؐ نے نہ صرف اخوت کا درس دیا بلکہ اس پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھایا۔ آپؐ نے ہمیشہ دوسروں کے لئے بھلائی اور اچھائی چاہی اور ہمیشہ خود کو دوسروں کے لئے وقف رکھا۔

مساوات اور اخوت کافی حد تک لازم و ملزوم ہیں۔ اخوت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے بھائی بندوں کو اپنے جیسا سمجھیں اور اُن کی قدر و قیمت کو گھٹانے کی کوشش نہ کریں۔ ہادیٔ برحقؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے مساوات کا وہ عملی مظاہرہ کیا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ سید الکائنات ہوتے ہوئے بھی آپؐ نے اپنی عملی زندگی میں خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دوسروں سے اعلیٰ اور برتر نہیں سمجھا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ "مجھے دنیا سے کیا غرض، میں تو اُس مسافر کی طرح ہوں جو دوپہر گزارنے کسی درخت کی چھاؤں میں لیٹا۔ چھائیں ڈھل گئی تو وہ آگے روانہ ہو گیا۔" آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا تابناک پہلو شرفِ انسانیت یعنی کائنات میں انسانیت کا اصل مقام ہے۔ آپؐ سے پہلے عرب کے جہلاء انسان کو دوسرے حیوانوں میں سے ایک حیوان سمجھتے تھے۔ انہوں نے پہلے کے تمام انبیاء کرام کے بتائے ہوئے ضابطۂ حیات کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ وہ انسانوں کو ایک طاقتور اور برتر حیوان خیال کرتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ جو انسان جتنا طاقتور ہو گا اُسے اتنے ہی حقوق ہوں گے۔ اور یہ بات اُن کے لئے معراجِ کمال تھی۔

چلن اُن کے سب وحشیانہ
ہر ایک لوٹ، مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا قانون کا کوئی تازیانہ

یہ صرف ہادیٔ برحقؐ کا اسوۂ حسنہ ہے کہ آپ نے ریگستانِ عرب کے بدوؤں کو شرفِ انسانیت سے آگاہ کیا۔ اور آپؐ ہی وہ عظیم ہستی ہیں جنہوں نے انسانوں کو باور کرایا کہ وہ زمین پر خدا کے نائب ہیں۔

حبیب کبریاؐ کی حیاتِ مبارکہ کی جامعیت صرف اس لئے تھی کہ ہر فرد و بشر اس نمونہ کو اپنے پیش نظر رکھے اور جہاں تک

Scanned with CamScanner

اُس کا ظرف و بساط اجازت دے آپؐ کے نقشِ قدم پر چلے۔

گلستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں لیکن موسمِ ربیع کا یہ گلدستہ ایسا ہے کہ جو ہر ملک، ہر زمانہ، ہر قوم کے مشامِ جاں کو معطر رکھے گا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی شامت یہی ہے کہ اس نے سب سے زیادہ کامل و مکمل نمونہ کی طرف سے قطع نظر کر لی۔

اگر آج ہم اس بڑے امین کے نقشِ قدم پر چلنے ہوتے تو ہم میں خیانت و بددیانتی کا گزر نہ ہوتا۔ اگر آج ہم اُس رؤف الرحیم کے پیرو ہوتے تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی جانب سے بے اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی۔ اگر ہم فاتح بدر کی عظمت دل سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلے میں شکستیں نصیب نہ ہوتیں۔ اگر آج ہم رحمۃ اللعالمینؐ کے پیغام پر سچے دل سے ایمان رکھنے ہوتے تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ ہمیں بیگانگی نہ ہوتی۔ اگر آج ہم کو اسم پاک احمدؐ کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد و ثناء سے ہمیں گریز نہ ہوتا۔

آئیے ہم اور آپ مل کر اس بات کا دل سے تہیہ اور ارادہ کریں کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ کے احکامات اور حضورؐ کی اطاعت میں گزار کر حقیقی زندگی کو حاصل کر سکیں۔ کیونکہ رسول اکرمؐ کی پیروی ہی ہمارے لئے راہِ نجات ہے۔

علم کی کبھی تحقیر نہ کرو اس سے ذہن بگڑتا ہے۔

(سر سید احمد خان)

علم ایک پودا ہے جسے دماغ کی سرزمین پر بونے سے عقل کے پھول کھلتے ہیں۔

بقیہ: ہم اور ہمارا اخلاق

کہ وہ ہر مخلوق کی خدمت کریں۔ پھر خدمت بے غرض ہو اور آپ کا حقیقی صلہ اور معاوضہ بھی اللہ اور صرف اللہ ہی سے چاہا جائے۔

گھر کے بزرگوں کا مرتبہ اور اُن کا احترام

آخر میں یہ عرض ہے جیسا کہ پہلے زمانے میں ہوتا تھا کہ گھر کا ایک سربراہ ہو جس کا احترام گھر کے ہر فرد کے لئے لازم ہو اور اس بزرگ سے بڑھ کر خاندان یا برادری کا سربراہ ہو جس کا حکم اور احترام کُل برادری پر فرض کیا جائے۔ کوئی شخص اس امر کا مجاز نہ ہو کہ وہ اُن سے سرتابی کرے۔ جب سے ہم نے اِن روایات سے روگردانی اختیار کی ہے طرح طرح کی معاشرتی بُرائیوں کو اپنے سر منڈھ لیا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنے دین سے ہٹتے جا رہے ہیں۔ ہم میں سے اخلاص ختم ہو گیا ہے۔ تمام برائیاں ہم پر غالب ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ ہم سب پر عذابِ خداوندی ہے کہ ہم سب بُرائیوں کو اپنا رہے ہیں اور اچھائیاں ہم میں سے زائل ہوتی جا رہی ہیں۔ اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہم میں خلاص کا نقدان ہے اس لئے ہم سب کو چاہیئے کہ کائنات کی لقاء اور اس کے ارتباط کی مضبوطی اور استواری کے لئے پھر ہم سرگرمِ اخلاص ہو جائیں۔

وما علینا الا البلاغ

Scanned with CamScanner

محسنِ انسانیت ﷺ

اِس وقت میرے سامنے عہدِ انسان کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اس کے ایک ورق پر آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی عہد کی جھلکیاں ہیں۔

اُن کی قوم نے جب خدا اور اُس کے پیغمبر پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی کہ منکروں کو سزا دی جائے۔ خدا نے اُن کی التجا قبول کر لی اور کرۂ ارض پر ایک ایسا طوفان آیا کہ سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔

اگلے ورق پر حضرت ہود علیہ السلام کا عہد اپنی تمام تر شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان کی قوم، قومِ عاد نے بھی خدا کے پیغام کا مذاق اُڑایا۔ اُن کی مسلسل نافرمانیوں کے سبب خدا تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا کیا۔ لیکن انہوں نے اس پر بھی معافی نہیں مانگی۔ اور حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ "کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دیں۔ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ڈراتے ہیں پس وہ لے ہی آئیں۔" چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام کی درخواست پر قومِ عاد کو ٹھنڈی ہوا سے ہلاک کیا گیا جو ان پر مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں چلتی رہی اور دنیا سے اُن کا نام و نشان مٹ گیا۔

اور اس ورق پر قومِ ثمود کی کہانی رقم ہے۔ جب قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ تم خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔ تم سحر زدہ، جھوٹے اور خود پسند ہو۔ اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تو خدا نے انہیں ایک خوفناک زلزلے سے آشکار کیا۔

ایک اور ورق پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد ضوفشاں کر رہا ہے۔ جب بنی اسرائیل نے مسلسل نافرمانیوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر ارضِ فلسطین میں داخل ہونے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تم اور تمہارا رب دونوں اُن سے لڑیں ہم تو بیٹھے رہیں گے۔ اس رویے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت افسردہ ہوئے اور انہوں نے بد دعا کی جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عذاب نازل کیا اور چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا میں صحرا نوردی کرتے رہے۔

یہ ایک اور ورق ہے، مصائب و آلام سے پُر ورق۔ اس پر اہلِ مکہ کے ظلم و ستم کی داستان درج ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کے ظلم سے تنگ آکر طائف تشریف لاتے ہیں لیکن حاکم وقت کے کہنے پر آپ ﷺ کی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ کفر کی آندھیاں اسلام کی شمع بجھانے کے درپے ہیں۔ راہِ حق میں برائیوں کے کانٹے بوئے جا رہے ہیں اور ملبوں کا کوڑا پھینکا جا رہا ہے۔ لیکن یہ رسول ﷺ کیسے ہیں جو خاموشی سے ان صعوبتوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ صحابہؓ

Scanned with CamScanner

کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے حق میں بددعا کیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "میں دنیا میں لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

اور یہاں اُحد کے میدان کی تاریخ رقم ہے۔ کفار شمعِ رسالت ؐ گل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ لیکن اس شمعِ ہدایت کے گرد جاں نثار پروانوں کا ایک ناقابلِ تسخیر حصار موجود ہے۔ آپ ؐ کفار کی یلغار سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسے وقت میں بھی آپ ؐ کے منہ سے بددعا نہیں نکلتی۔ آپ ؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ "وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہو۔ خدایا ان کو معاف فرما۔ یہ نادان ہیں۔"

اور اس ورق پر ۸ھ کی داستانیں تحریر ہیں۔ فتحِ مکہ کے بعد کفارِ مکہ آنحضرت ؐ کی طرف رحمت طلب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان میں وحشی قاتل حضرت امیر حمزہ رضؓ بھی ہیں۔ ہندہ بنتِ عتبہ بھی ہے جس نے آپ ؐ کے چچا حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی۔ ان میں عبداللہ بن سعد جیسے افواہیں پھیلانے اور جھوٹ بولنے والے بھی ہیں اور ان میں ہبار بن الاسود جیسا شقی القلب بھی حاضر ہے۔ آپ ؐ تمام مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ "بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

تمام لوگ عاجزی سے کہتے ہیں کہ "محمد ؐ تو ہمارا شریف بھائی اور بھتیجا ہے۔"

ارشاد ہوتا ہے کہ "آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔"

یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر نوح علیہ السلام نے خدا سے طوفان کی درخواست کی تھی۔ جہاں ہود علیہ السلام قومِ عاد پر عذابِ الٰہی کے طالب ہوئے۔ جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود زلزلہ سے تہس نہس کی گئی اور جہاں حضرت موسیٰ ؑ کے عہد میں بنی اسرائیل ریگزاروں میں بھٹکتے رہے۔ اور یہ تو صرف ایک رُخ ہے جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردار الانبیاء ٹھہرتے ہیں۔ وہ بجا طور پر محسنِ اعظم اور محسنِ انسانیت ہیں۔

۱۔ میں علم کے اس درجہ تک اس وجہ سے پہنچا کہ جو کچھ علم مجھے نہ تھا اس کے معلوم کرنے میں میں نے شرم نہ کی۔

(امام غزالیؒ)

۲۔ وہ علم جو دولت حاصل کرنے کے لئے حاصل کیا جائے دل میں گھر نہیں کرتا۔ (امام ابو حنیفہؒ)

۳۔ علم نور ہے جو متقی اور خدا کا خوف رکھنے والوں کے دل میں چمکتا ہے۔ (امام مالکؒ)

۴۔ صاحبِ علم اگر مفلسی کی حالت میں ہو تو اُسے حقیر نہ سمجھو۔

(حضرت علیؓ)

۵۔ دولت سے کتاب خریدی جاسکتی ہے علم نہیں۔

(حکیم لقمان)

۶۔ استاد کی عزت اور علم کی چاہت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(مولانا رومیؒ)

۷۔ ظلمت کدے میں علم ہی ایسا روشن ستارہ ہے جس کی ضیاء پاشیوں سے دنیا منور ہو رہی ہے۔ (ابنِ خلدون)

۸۔ چاند کے بغیر رات بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔

(سر سید احمد خان)

Scanned with CamScanner

صبا صبوحی بنت مصباح الدین اسلم (میٹرک)

قرآنِ پاک ایک نظر میں

۱۔ قرآنِ پاک میں ۳۰ پارے، ۷ منزلیں، ۱۱۴ سورتیں ۵۴۰ رکوع، ۶۶۳۲ آیات اور ۱،۷۶۳۲۳۲۳ الفاظ ہیں۔

۲۔ قرآنِ پاک میں ۳۲۱۲۶۷۵ حرف، ۵۲۲۴۳ زیر، ۲۹۵۸۲ زبر اور ۱۰۵۶۸۴ نقطے ہیں۔

۳۔ قرآنِ پاک کا نزول مکمّل طور پر ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن میں ہوا۔

۴۔ قرآن پاک میں ۹۱ سورتیں مکّی ہیں اور ۲۳ سورتیں مدنی ہیں۔

۵۔ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی سورۃ سورۃ "العلق" اور سب سے آخری سورۃ، سورۃ "النصر" ہے۔

۶۔ قرآنِ پاک کا آغاز "بسم اللہ" سے ہے اور اختتام "والناس" پر ہے۔

۷۔ قرآنِ پاک میں سورۃ "التوبہ" کے علاوہ تمام سورتیں "بسم اللہ" سے شروع ہوتی ہیں۔

۸۔ قرآن پاک کی سب سے طویل سورۃ، سورۃ البقرہ ہے جس میں ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔

۹۔ قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورۃ، سورۃ الکوثر ہے۔

۱۰۔ قرآن پاک میں ایک رکوع والی ۳۲ سورتیں ہیں۔

۱۱۔ قرآن پاک میں ۷ امقام ایسے ہیں جہاں الفاظ کو غلط پڑھنے (تلفظ کی غلط ادائیگی) کرنے والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ معنے بالکل بدل جاتے ہیں۔

۱۲۔ قرآن پاک میں ۱۵۰ دفعہ خیرات کا، ۷۰۰ دفعہ نماز کا، ذکر آیا ہے۔

۱۳۔ قرآن پاک پڑھتے یا سنتے وقت ۱۴ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے آگے سر بسجود ہونا پڑتا ہے۔

۱۴۔ قرآن پاک میں سب سے طویل ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اس سے طویل ذکر کسی پیغمبر یا نبی کا نہیں ہے۔

۱۵۔ قرآن پاک میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ اُن کا تذکرہ ۵۰ مرتبہ قرآن پاک میں ہوا ہے۔

۱۶۔ حضرت مریم وہ واحد خاتون ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں اُن کے نام سے آیا ہے۔

۱۷۔ قرآن پاک میں لفظ "محمدؐ" چار جگہ اور "محمد رسول اللہ" صرف ایک جگہ آیا ہے۔

Scanned with CamScanner

عائشہ البغی - جماعت دہم

تعلیمی دور اور لڑکیاں

دنیا کے نقشہ پر پاکستان کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے، مگر اس کے وجود اور اس کے قیام کے لئے مسلمانوں نے جو کوششیں کیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے زمانہ جب بھی یاد کرے اُس میں ازواجی روح پھونک دے گا۔ قائداعظم، قائد ملّت، علامہ اقبال اور سرسیّد جیسے عظیم رہنماؤں کی موجودگی اس قوم کی زندگی کی ضامن بن گئی اور ہر ایک نے اپنے محاذ پر گرمجوشی سے کام کا آغاز کیا اور نتیجہ ایک پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔ مسلمانوں کے زوال کے کیا اسباب تھے، مورخوں نے کئی اسباب بیان کیے مگر بنیادی سبب یہ تھا کہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے مسلمان اس حال پہ پہنچے تھے کہ وہ حکمرانی کرتے کرتے غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ ورنہ اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو نصف صدی پر مسلمانوں کا شاندار ماضی جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان تعلیم سے دور ہونے لگے تو اُن کا انحطاط شروع ہونے لگا اور نوبت غلامی تک جا پہنچی۔ لیکن جب ظلم حد سے بڑھا تو مسلم قوم میں کچھ شعور پیدا ہوا اور وہ سرسید احمد خان کی رہنمائی میں تعلیمی مدارج طے کرنے لگے۔ مسلمان جو اس حدیث قدسی کو بھول چکے تھے: "علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔ ایک بار پھر اس حدیث پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بہادر اور دلیر قوم کے قائدین نے دنیا کے نقشہ پر پاکستان قائم کر دیا۔ ہم اس منزل تک تعلیم کے ہتھیار لئے پہنچے تھے۔ سر سید احمد خان نے تعلیم کے ذریعہ قوم کو بیدار کیا۔ اور قائداعظم کی کوششوں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو سب کچھ بھول کر راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ اقربا پروری جیسی بُرائیاں ہم پر مسلّط ہو گئیں۔ ہمارے عمل نے دانستہ یا نادانستہ تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تعلیم کی حالت گر گئی۔ مقصدِ تعلیم فوت ہو گیا۔ اور تعلیم ایک مشن بن کر رہ گئی۔ محض ڈگریوں کا لالچ انسانی صلاحیتوں کو زنگ لگانے لگا۔ بے شک ملک میں عورتوں اور مردوں کے لئے کئی تعلیمی درسگاہیں کھولی گئیں اور ملک کی نصف آبادی جو عورتوں پر مشتمل ہے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ تعلیم یافتہ عورت ہی ملک و قوم کی تہذیب و تمدن کی حفاظت اور آئندہ آنے والی نسلوں کی صحیح پرورش کر سکتی ہے۔ لہٰذا تعلیم اپنی تہذیب، مذہب اور روایات کے مطابق ہونی چاہیے۔ جو عورت ایک پوری قوم کی ذمہ دار ہو اس کے لئے درسگاہوں میں ایسا ہی نصاب ہونا چاہیے جو اُن کی بنیادی ضروریات، معاشرتی یا

باقی ص ۵۹ پر

شبنم وسیم
سید پور روڈ۔ راولپنڈی

ملک کی تعمیر و ترقی میں عورت کا کردار

کسی بھی ملک، معاشرے اور گھر کی تعمیر و ترقی کے لئے ملک کی نصف آبادی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ مرد معاشرے میں ایک کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن عورت بھی معاشرے کا وہ اہم حصہ ہے جس کے بغیر کوئی بھی چیز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ زمانہ جاہلیت کی بات تھی جب عورت کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ پھر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سب سے پہلے وہ مرتبہ دیا جس کی وہ حقدار تھی۔ یعنی چادر اور چار دیواری کا تحفظ عطا کیا۔ لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا عورت کی اہمیت بھی واضح ہوتی گئی۔ پہلے جو ایک گھریلو عورت تھی اب وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہے۔ عورت کی کارکردگی کو ہم سب سے پہلے گھر سے شروع کریں گے۔ عورت بحیثیت ایک بیٹی کے، خدمت گزار بیوی کے روپ میں، وفا شعار اور بہن کے روپ میں ایک درخت سایہ دار ہے اور بحیثیت ماں کے عورت کا رتبہ نہایت بلند ہے۔ کیونکہ آئندہ نسل کو بنانے اور بگاڑنے کی تمام تر ذمہ داری ایک ماں اور صرف ماں پر عائد ہوتی ہے۔ اور ایک اچھی ماں کے لئے کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

"مجھے ایک اچھی ماں دو، میں تمہیں ایک اچھی نسل دوں گا۔"

اور خدا نے بھی ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دی ہے۔ اس سے بڑا اعزاز عورت کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اب اگر چار دیواری کی دنیا سے ہٹ کر عورت کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو ہمیں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ برتر نظر آئے گی۔ کیونکہ عورت جس خلوص، محنت اور لگن سے اپنے کام کو انجام دیتی ہے وہ یقیناً اسی کا حصہ ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک ترقی اور تعمیر کے لئے اپنی نصف آبادی کی صلاحیتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ آج کی تعلیم یافتہ عورت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ روٹی اور چولہے ہی کے لئے نہیں بلکہ وہ کھیت اور تلوار کے لئے بھی بنائی گئی ہے۔ وہ کچن کے صاف کرنے کا آلہ یا مرد کی باندی نہیں۔ تجارت ہو یا کامرس، قانون ہو یا سیاست یا معاشرتی اور ادبی کارروائیاں ہوں اُس نے ہر جگہ اپنے وجود کا احساس دلا دیا ہے۔ وہ ملک کے تقریباً ہر شعبہ میں قابلِ فخر خدمات انجام دے رہی ہے۔ کارخانوں، دفاتر، اسکولوں، ہسپتالوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ٹی وی، فلم۔ غرض یہ کہ ایسا کونسا شعبہ ہے جہاں عورت نہیں ہے۔ کسی ملک کی معاشرتی زندگی میں عورت کی ضرورت ایک مسلم حقیقت ہے۔ یہ خیال کہ صرف گھر ہی عورت کا دائرہ عمل ہے۔

Scanned with CamScanner

تعلیم نسواں کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہے۔ اور تعلیمی قابلیت میں بھی لڑکیاں لڑکوں سے آگے ہیں۔ ہمارے مذہب نے بھی عورت کی تعلیم، تجارت، ملازمت پر کسی قِسم کی پابندی نہیں لگائی۔ عظیم تاجرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ، عظیم مفکرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ، عظیم جنگجو خولہ بنت خطاب رضؓ جیسے ناموں سے کون ناآشنا ہو سکتا ہے۔ فاطمہ جناح وہ عظیم سیاست داں تھیں جنہوں نے قائداعظم کی قدم قدم پہ رہنمائی اور زبانی کے عظیم جذبہ سے سرشار ہوتے ہوئے شادی نہیں کی اور اسلامی مملکت کے قیام کے لئے مددگار و معاون ثابت ہوئیں۔ قائداعظم اگر فاتح تھے تو فاطمہ جناح محبت، مہربانی اور ہمدردی کا پیکر تھیں۔ اسی لئے قائداعظمؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ سیاست کیا ہے

"میں اور میری بہن"

مرد پیدائشی فاتح ہے اور اُسے زندگی کی جنگ میں کئی ناامیدیوں اور مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر اُسے تسلّی صرف اور صرف عورت دیتی ہے چاہے وہ کسی بھی روپ میں ہو۔ عورت ہی وہ عظیم ہستی ہے جس نے علامہ اقبالؔ، علی برادران اور سر سیّد احمد خان جیسے سپوتوں کو جنم دیا۔ ان لوگوں میں محبت وطن کا جذبہ، خصوصًا مسلمانوں کی بہتری کا خیال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جو کہ عورت ہی کی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ ہے۔ غرض آپ زندگی کے کسی بھی شعبے پر نظر ڈالیں تو آپ کو عورت کی اہمیت ایک مسلم حقیقت نظر آئے گی جس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

کیا وہ عورتیں خواتین نہیں تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو بہترین سیاست داں، حکمراں، عالم، شاعر، مقرر، وکیل، جج اور منتظم ثابت کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رضیہ سلطانہ، نورجہاں، مسِز بندرا نائیکے، اندرا گاندھی، مسِز بھٹو اور ان جیسی بے شمار خواتین نے اپنے آپ کو حکومت کے معاملات میں اہل ثابت کیا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں اور دلائل کے باوجود بعض تنگ نظر مرد عورت کو وہ مقام دینا پسند نہیں کرتے جو کہ اس کا جائز حق ہے تو میری اُن مردوں سے یہی گزارش ہے کہ وہ معاشرہ ملک یا گھر کبھی ترقی نہیں کر سکتے جہاں عورت کی نصف آبادی کا کوئی حصّہ نہیں۔

نکہت یاسمین۔ بی اے

عہدِ پُرآشوب

حیراں ہوں اِس دَور میں کیا دیکھ رہی ہوں
ہر شخص ہے مائل بہ فنا دیکھ رہی ہوں

ہوتی ہیں بہت امن و مواخات کی باتیں
اس پہ بھی فقط کرب و بَلا دیکھ رہی ہوں

ہر قوم سمجھتی ہے بُری جنگ ہے لیکن
ہر قوم میں جنگوں کا نشہ دیکھ رہی ہوں

ناپید ہے وہ دیس جہاں امن و سکوں ہو
ہر دیس کو فتنوں میں گھِرا دیکھ رہی ہوں

احساسِ مروّت کا فسوں ٹوٹا ہے نکہتؔ
اِنسان کی انساں پہ جفا دیکھ رہی ہوں

Scanned with CamScanner
CamScanner

شائستہ پروین - بی اے سال دوم

مسلم خواتین اور مغربیت کا رجحان

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا جاتا ہے۔ لمحے بیتتے ہیں، دن گزرتے ہیں۔ اور صدیاں بیت جاتی ہیں۔ وقت کی مدھم مدھم چاپ پر ہر انسانی معاشرہ قدم اٹھاتا جاتا ہے۔ کبھی اس کی چال نہایت آہستہ ہو جاتی ہے اور کبھی سبک سری کے ساتھ وہ فاصلے طے کر لیتا ہے لیکن اس سفر میں اس کے سامنے ایسے دور بھی آتے ہیں کہ پیچھے گزر جانے والے سفر کا عکس کبھی ذہنوں میں ہوتا ہے اور مستقبل کے سراب بھی نظر آتے ہیں۔ راہ کی پگڈنڈیاں کبھی ارادے کو متزلزل کرتی ہیں لیکن سفر جاری و ساری رہتا ہے۔ کسی مسافر کو صحیح راہنمائی مل جاتی ہے تو وہ اپنی سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلتا رہتا ہے ورنہ کئی مسافر راستے کی بھول بھلیوں میں گمراہ ہو جاتے ہیں۔

ایسی ہی صورت حال ہمارے معاشرے کی خواتین کی ہے۔ اُن کے ذہن میں ماضی کی عظیم تہذیب و تمدن ہے۔ درخشندہ روایات میں عزم و کردار کے پیکر ہیں۔ شجاعت و جوانمردی کی مثالیں ہیں اور سامنے مغرب کے سراب۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی دولت کی چمک۔ جھوٹی نمود و نمائش اور ہوس ہے۔ اس اسلامی معاشرے میں لڑکی پیدائش کے بعد اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بھائیوں کی عزت ہوتی تھی۔ اور جوان ہونے پر شوہر کے دل اور گھر پر حکومت کرتی تھی۔ عورت بیٹے اس لئے پیدا کرتی تھی کہ اسلام کی راہ میں قربان کرے گی۔ میدان جہاد سے پیٹھ موڑنے والے بیٹے کو وہ ماں دودھ نہیں بخشتی تھی۔

وہ عورت اپنے بھائی اور بیٹے کو اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بناتی تھی۔ اور یہی اس عورت کا کارنامہ تھا۔ لیکن آج مغربیت کے رجحان میں عورت اپنے اس مرتبے کو بھولتی جا رہی ہے کہ اس نے دین و ملت کو کتنے مجاہد دیئے ہیں۔ کتنے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کیا ہے۔ اس عورت کے سامنے ایک وسیع کائنات تھی۔ عمل کا وسیع دائرہ تھا۔ لیکن آج یہی عورت خود غرض ہو گئی ہے۔ صرف اپنی ذات کے خول میں مقید ہے۔ اس مغرب کی طرف ہی راہنمائی کے لئے دیکھتی ہے کہ جہاں عورت، ماں بہن بیٹی اور بیوی کے عظیم فرائض سے بری الذمہ ہے۔ ماں بچے کو دین کی شمع نہیں بناتی کہ اپنی اولاد کے دل اور اپنے شوہر کے گھر کو ایمان سے منور کرے۔ وہ عورت دعویٰ تو کرتی ہے مرد کے شانہ بشانہ چلنے کا۔ اور افسوس کہ ہماری خواتین ابھی گو یرنگ میں آزادی کو ابھی مغربی عورتوں کی لگائی ہوئی عینک سے دیکھتی ہیں۔ دفتر میں کام کرنے کو اپنی آزادی سمجھتی ہیں۔ عُریاں لباس پہننا ترقی یافتہ ہونے کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہماری ان خواتین نے اپنے لئے بہت ہی پست مرتبہ منتخب

Scanned with CamScanner

کیا ہے۔ مغرب کی تقلید میں بلند بانگ دعوے تو کیے جاتے ہیں، لیکن یہ خواتین یہ بھول جاتی ہیں کہ مغرب کی عورت تو صرف اپنی ذات کے تقاضے پورے کرتی ہے، صرف جسمانی تزئین کا ہی خیال کرتی ہے۔ لیکن ہم تو روح سنوارنے والے ہیں مغربی عورت کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کا شوہر کیا کماتا ہے۔ اس کا پیشہ ملک و قوم و مذہب کے مفاد میں ہے۔ یا ان کے لئے سم قاتل لیکن ہم پر تو اپنی ہی نہیں دوسروں کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے نگہبان اور برائی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اس مغربیت کے رجحان نے ہمارے ہنستے کھیلتے گھروں کو اجاڑ ڈالا ہے۔ ہمارے گلشن کو ویران کر دیا ہے۔ ہمارے طائروں کو خاموش کر دیا ہے کہ ہماری خواتین اپنی اسلامی تہذیب کے رشتے کو توڑ دینا چاہتی ہیں۔ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کر لینا چاہتی ہیں اس لئے کہ وہ ماڈرن ہو گئی ہیں۔ اب عورت خود کمائے گی، خود کھائے گی۔ بچوں کی صرف جسمانی نشو و نما ہو رہی ہے۔ ایسے نرسری اسکولوں میں بھیج کر گویا وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئی ہو۔ اس احساس سے قطع نظر کہ اس طرح وہ ایک پوری نسل کو اپاہج کر رہی ہے۔

غرضیکہ ہر طرح سے ہماری خواتین میں مغربیت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ تہذیب و تمدن میں اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ ہمارا رہن سہن اس کا ثبوت ہے۔ اپنی اخلاقی روایات کو ختم کر کے ہم مغربی اقدار کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ وہ مضبوط و مستحکم خاندانی نظام جو ہمارا تہذیبی ورثہ تھا مغرب کی تقلید میں ہم نے اس کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ خاندانی روابط کی دھجیاں اڑا دی ہیں اپنے گراں قدر اصول کبھی ہمیں نظر نہیں آتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے ہم مغرب کی جانب ہی دیکھتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی دلدادہ خواتین کی سادگی کا اب جدید دنیا کی عورت مذاق اڑاتی ہے اور دن بدن مغربیت کا رجحان بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ لیکن اب ہمیں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ۔

"جو شاخِ نازک پہ بنے گا آشیانہ ناپائیدار ہوگا۔"

صلاحیت۔ خدا سے مانگنے سے پہلے مانگنے کی صلاحیت پیدا کرو۔

مذہب۔ مذہب زندگی گزارنے کا ایک راز ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون کیا تھا؟

ہومر:۔ یورپ کا بہترین شاعر۔ بھکاری تھا۔

کولمبس:۔ امریکہ دریافت کرنے والا۔ جولاہے کا لڑکا تھا۔

کمال اتاترک:۔ بابائے ترکی، معمولی کلرک کے بیٹے تھے۔

سقراط:۔ ایک عظیم فلاسفر۔ ایک معمار کا لڑکا تھا۔

ابراہم لنکن:۔ امریکہ کا محب وطن صدر۔ ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔

*

کبھی کوئی چیز ختم نہیں ہوتی، دوسری چیز میں بدل جاتی ہے۔ خوبصورتی یاد میں، یاد نغمہ میں، نغمہ گونج میں، گونج فضا میں، فضا لہروں میں۔ اور لہروں کو کون مٹا سکتا ہے۔

شعیب بقائی رعنا

بیوی

دی ہے خدا نے ایسی بیوی
بالکل ایسی جیسے ہے ٹی وی

رنگ بدلتی ٹی وی جیسی
اور کڑکتی ہے بجلی جیسی

آواز میں اُس کی ہے ایک جادو
بولتی ایسے جیسے سادھو

صبح کو اپنے کام پہ جاتی
شام ڈھلے گھر واپس آتی

اُس کو نہیں تھا گھر کا خیال
بچے اس کے تھے بے حال

میکے جانے کی ضد کرتی
روز نیا ایک پاکھنڈ کرتی

بن سنور کر کلب کو جاتی
جھوٹی اپنی شان دکھاتی

ایسی بیوی جس کو ملے گی
جانو اس کو پھانسی ملے گی

ایسی دلہن سے دور ہی رہنا
دیکھو رعنا شادی نہ کرنا

Scanned with CamScanner

شیریں وحید لقمانی - راولپنڈی

فیشن پرستی کی وبا

فیشن پرستی کے معنی طریقہ کے ہیں۔ اچھا رہن سہن اور اچھے لباس کا ہر کوئی متمنی ہوتا ہے۔ اِس کے لئے لوگ جدید طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ان طریقوں کو فیشن کا نام دیا گیا۔ فیشن کو زیادہ تر دولت مند لوگ جنم دیتے ہیں کیونکہ انہیں منفرد نظر آنے کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اِس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور جدید تراش خراش کے لباس اور قیمتی میک اپ اور پرفیوم استعمال کرتے ہیں۔ اِس طرح جہاں وہ اپنی دلی تسکین حاصل کرتے ہیں وہاں متوسط اور غریب طبقہ کے لئے بھی مسائل پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ جائز آمدنی کو ان فضولیات پر خرچ نہیں کر سکتے۔ لازماً دوسرے ذرائع آمدنی اختیار کرتے ہیں اور دو طرح سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اوّل فیشن میں حصّہ لے کر اسلام سے منحرف ہوتے ہیں، دوسرے فیشن کے لئے ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرتے ہیں جب کہ اسلام ہمیں سادگی کا درس دیتا ہے۔ نمود و نمائش اور بے جا اسراف سے منع کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے "اچھا کھاؤ اور اچھا پہنو، مگر دو باتوں کا خیال رکھو۔ اوّل بے جا اسراف دوسرے تکبّر"۔ لباس انسانی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قوموں کی شناخت بھی لباس سے ہوتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں درختوں کے پتوں اور گھاس پھوس سے بدن ڈھانپا جاتا تھا۔ پھر سائنس نے ترقی کی اور کپڑا بنا لیا گیا۔ لباس تیار کیا گیا کہ بدن ڈھانپا جا سکے۔ لیکن مغرب نے لباس کو فیشن کا روپ دیا۔ چست بلاؤز اور اسکرٹ عورتوں نے پہنا اور مردوں نے کوٹ پتلون اور جینز پہن کر فیشن کو جنم دیا۔ مشرق میں قمیض شلوار عورتوں کے لئے اور کرتا پاجامہ مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ اسی سے مشرقیت کی پہچان تھی۔ زمانہ بدلا، مغرب کے اثرات مشرق پر اثر انداز ہوئے اور مشرقی قوم فیشن کی دوڑ میں لگ گئی۔ نت نئے فیشن ایجاد ہوئے کبھی تنگ شلوار قمیص پہنی گئی، کبھی لمبی قمیص شلوار نے رواج پایا اور کبھی بیل باٹم، ساڑھی اور چوڑی دار پاجامہ نے ترقی پائی۔ مرد بھی فیشن میں کسی سے کم نہیں رہے۔ انہوں نے اپنا قومی اور اسلامی لباس چھوڑ کر پینٹ کوٹ اور جینز کو شوق سے پہنا، بالوں کے اسٹائل بدلے۔ عورتوں نے اپنی کالی گھٹاؤں جیسی زلفوں کو ترشوا کر لیڈی ڈائنا اور مارگریٹ تھیچر جیسے اسٹائل کر لئے۔ مردوں نے اپنے بال بڑھا کر امیتابھ بچن جیسا ہونے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔" اے مومنو تم جس قوم کا طرزِ زندگی اختیار کرو گے اس کے ساتھ ہی تمہارا انجام ہوگا"۔

تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمہؓ جیسی مقدس شخصیات کی وجہ شہرت سادگی اور

باقی صفحہ ۵۵ پر

Scanned with CamScanner

فہمینہ احتشام
درجہ دہم۔ کیمپری ہنسیوا سکول

ہماری نوجوان نسل

کسی قوم کی ترقی اور اس کا مستقبل اس قوم کے نوجوانوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ لیکن آج ہماری موجودہ نسل اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش کر چکی ہے۔ ہماری نوجوان نسل کو معلوم نہیں کہ ہمارے اسلاف نے کتنی جدوجہد کی ہے۔ طارق بن زیاد کون تھا؟ محمد بن قاسم نے ۱۷ سال کی عمر میں سندھ فتح کیا۔ آج ہماری نوجوان نسل میں کوئی طارق بن زیاد نہیں، کوئی محمد بن قاسم نہیں۔ ہماری موجودہ نوجوان نسل تباہی کی طرف جا رہی ہے اور وہ اپنا وقت وی سی آر پر فلمیں دیکھنے اور ٹی۔وی کے پروگرام دیکھنے میں ضائع کر رہی ہے۔ آج کی ہماری نوجوان نسل کے افراد اپنے بزرگوں کے کارناموں سے واقف نہیں ہیں۔ وہ فلموں اور اُن میں کام کرنے والے کرداروں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل اپنے بزرگوں سے محبت نہیں کرتی، وہ اپنے بزرگوں کی عزت نہیں کرتی اور ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی۔ آج کی موجودہ نسل تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ تشدد پر آمادہ ہے۔ تعمیری کردار ادا نہیں کرتی۔ تو کس طرح وہ قوم ترقی کر سکتی ہے۔

ہماری نوجوان نسل تخریبات میں پڑ چکی ہے جس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ ہماری قوم کے نوجوانوں کو ہی ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اچھے معاشرے کی تشکیل کے لئے ایسے عملی نمونے پیش کریں جو ہمیں اسلاف کے کارناموں کو یاد دلا سکیں۔ ہمیں اپنی سیرت، اخلاق، اور کردار پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیئے اور دوسروں کو بھی نیک راستوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ اگر ہر نوجوان انفرادی طور سے تعمیر قوم کی طرف توجہ دے تو یقیناً ملک و قوم کی ترقی ہوگی۔ ہماری نسل کے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھیں۔ علم حاصل کریں اور دوسروں کو بھی حصولِ علم کے لئے مواقع فراہم کریں۔ سماجی اور معاشرتی انجمنیں قائم کریں۔ اور ایک ایسی جماعت تشکیل دیں جو قوم کی صحیح معنوں میں تعمیر کر سکے۔ اپنا قیمتی وقت کھیل کود اور دیگر تفریحات میں ضائع نہ کریں بلکہ کتب بینی، اخبار اور مذہبی کتب کے مطالعہ میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر سکیں اور جو کچھ سیکھیں دوسروں کو بھی سکھائیں۔ یقیناً انفرادی کوشش سے اجتماعی مقصد حاصل ہوگا اور بہتر معاشرہ تشکیل پائے گا۔

اس لئے بہت ضروری ہے کہ ہماری نسل کے نوجوان ان باتوں پر عمل کر کے اپنا نام روشن کریں۔

Scanned with CamScanner

قومی تعمیرِ نو میں طلباء کا کردار

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبۂ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

ہر قوم اور ملک کی فلاح وبہبود کا انحصار موجودہ اور آئندہ نسل کی طبعی استعداد اور آمادگیٔ کار پر ہوتا ہے۔ اس طبعی استعداد کو بروئے کار لاکر خوشگوار اور بہترین زندگی گزارنے کی صلاحیتیں پیدا کرنا والدین اور اساتذہ کا مشترکہ فرض ہے۔ اس فرض کی بجاآوری اس حالت میں ہوسکتی ہے جب نوجوان نسل پوری توجہ اور خلوص کے ساتھ اپنے سربراہوں، رہنماؤں کے ساتھ تعاون کریں۔ اشتراکِ عمل کے ذریعہ منزلِ مقصود کو پانے کی کوشش کریں۔

ملک کا بہترین سرمایہ طلباء ہیں۔ آج کے طلباء کل کے معمار ہیں۔ کردار اس کا حقیقی چال چلن، اس کی عادت، اس کے اعمال، اس کی سیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خاص طور پر طلباء کا کردار ایک لڑی میں گلِ رعنا یا گلاب کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ اور ملک کے نوجوان، خاص طور پر طلباء معاشرے کو توانائی فراہم کرنے والے بہترین ذرائع ہیں۔ وہ معاشرے میں بلا چوں وچرا سرِ تسلیم خم رہتے ہیں۔ اور معاشرے کی اقتصادی اور روحانی قدروں سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ عام طور پر خاموش رہتے ہیں۔ لیکن خاص خاص حالتوں میں ضرور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک تو جب اُن کے ملک کی بقاء خطرے میں ہو اور دوسرے اس وقت جب اُن میں مایوسی اور شکست خوردگی حد درجہ سرایت کر جاتی ہے اور نوجوان طلباء میں ایک سمندر کی مانند جذبہ ہوتا ہے۔ وہ جب بھی کسی کام کو کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں تو پھر اپنے زورِ بازو سے کرکے رہتے ہیں۔ قوم کے افق پر طلباء کا وجود ننھے ستاروں کی طرح ہوتا ہے جنہیں رات کی ظلمتوں کا دامن چاک کرکے روشنی پھیلانا ہوتی ہے اور پھر رات کے ڈھلتے ہی ان کو آفتاب عالمتاب کے روپ میں ڈھلنا ہوتا ہے تاکہ حیات کی طویل اور تاریک راہیں روشن اور منور ہوسکیں۔ طلباء قومی زندگی میں ایسا عنصر تصور کیئے جاتے ہیں جن سے استحکام وطن کا ہر پہلو وابستہ ہوتا ہے۔ ہمارا ملک ترقی پذیر ہے۔ جو قوم ترقی کرنے کی طرف گامزن ہو وہ طلباء کے گروہ کی طرف زیادہ توجہ کرتی ہے اور نوجوان طلباء کے کاندھوں پر قومی مستقبل کی درخشندگی کا انحصار ہوتا ہے۔

تاریخ میں بہت سے رہنماؤں کی مثالیں قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے پاکستان کی ترقی کی خاطر آخری وقت تک کام کیا۔ وہ زندہ جاوید مثالیں جو تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی گئی ہیں۔

بقول سرسید احمد خان قوم کی ترقی، قوم کی خوشحالی،

Scanned with CamScanner

قومی عزت، عمدہ عادت، عمدہ چال چلن، عمدہ برتاؤ کرنے سے
حاصل ہوتی ہے۔

"کردار کی بلندی ہی ترقی کا زینہ ہے۔ کردار
ہی انسان کا اصل روپ ہے۔"

تاریخ شاہد ہے کہ پاکستان کے حصول میں طلباء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کے بچے کل کے معمارِ قوم ہیں۔ لیکن طلباء اپنا قیمتی وقت کھیل کود اور بیکار کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ وقت تعلیم حاصل کرنے کا ہوتا ہے اُسے ضائع کر کے جہالت کے اندھیروں میں گھر جاتے ہیں۔

بدمعاش، ڈاکو، چور، اسمگلر بن کر قوم سے دغا کرتے ہیں۔ اور کچھ غربت کے مارے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں جبکہ ملک کے لئے بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں اور حکومت پر بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں

اگر ہمارے ملک کا ہر طالب علم اس روشنی کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک ترقی کی طرف گامزن نہ ہو۔ طالب علم ملک کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ان پر توجہ دی جائے اور ان کے حقوق بھی مانے جائیں تو ہر ملک مشکل سے مشکل منزلیں طے کر لیتا ہے۔

طلباء برادری کو قائدِ اعظمؒ کا یہ قول کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اتحاد، تنظیم، یقین محکم۔ اور علامہ اقبال کا یہ شعر طلباء کی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ۔

ملت کے ساتھ رشتہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بقیہ "فیشن پرستی"

پرہیزگاری اور تقوی تھی۔ وہ انتہائی باوقار اور سادہ لباس زیب تن کیا کرتی تھیں۔ میک اپ سے پاک پاکیزہ وجود قابل احترام تھا۔ پردے کی پابند تھیں اور اسلامی عقائد کے مطابق زندگی بسر کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور دونوں جہاں کے شہنشاہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سادگی کا بہترین نمونہ تھے۔ ان پاک اور معزز شخصیتوں میں بہادری اور شجاعت بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپؐ نے اسلام کو کس طرح فروغ دیا یہ سب ہی جانتے ہیں۔ اس کے برعکس آج کے جدید دور میں دیکھا جائے کہ ہم نے اسلام کو کتنا آگے بڑھایا۔ اسلام کے لئے کتنے کام کیے۔ سوائے اس کے کہ مغرب کی تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا۔ خواتین اُن کی طرح بے پردہ ہو گئیں۔ چہروں پر میک اپ کی تہیں جمالیں۔ لباس کی جدید تراش خراش کی گئی۔ اور جو لباس کا مقصد تھا وہ پورا نہیں ہو پایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ عورتیں باہر نکلیں تو پردے میں نکلیں اور اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اسی طرح مردوں کے لئے حکم ہے کہ وہ نیچی نگاہ سے راستہ چلیں۔ ان ارشادات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ اسلام کہیں بھی فیشن کی اجازت نہیں دیتا۔ جگہ جگہ سادگی، کفایت شعاری، تقوی اور پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ سادگی اپنائیں، بلاضرورت خرچ نہ کریں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے "فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ فیشن کی دوڑ میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ یہ وقت اللہ کی عبادت میں لگائیں اور اسلامی تہذیب کو ۔۔۔

نوید اطہر
لٹریری سکریٹری

علم ایک روشن ستارہ

علم آج کے دور کی لازمی چیز بن گئی ہے۔ اٹھنا، بیٹھنا رہنا، سہنا اور معاشرے میں زندگی گزارنے کے طور طریقے یہ سب علم ہے۔ آجکل کی مشینی زندگی میں علم کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔ ورنہ اس مقابلے کے دور میں بے علم کی کوئی وقعت نہیں۔ کسی دانشور نے صحیح کہا ہے "جس کے دل میں علم کا خزانہ نہ ہو وہ دل ایک ویران گھر کی مانند ہے۔" ہر شخص کو علم حاصل کرنے کی جستجو اور تڑپ ہونی چاہیئے۔ علم ایسا روشن ستارہ ہے جس کی روشنی سے بھٹکے ہوؤں کو راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ علم زادِ راہ ہے جسے دنیا کے ہر فرد کو زندگی گزارنے کے لئے اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔

علم کسی ایک شخص، ایک قوم یا ایک ملک کی ملکیت نہیں، اور نہ علم کسی جغرافیہ، نسل، تاریخ یا سیاسی حدبندیوں کا پابند ہے۔ علم ایک وحدت اور سچائی ہے۔ علم ایک ذوق ہے جس کو پانے کی ہر شخص کے دل میں خواہش اور لگن ہوتی ہے۔

اسلام میں علم حاصل کرنے پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اس بات کا اندازہ ہم یوں لگا سکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور آپؐ ایک جاہل قوم میں مبعوث کیے جس میں پڑھنا لکھنا بے کار افعال سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب آپؐ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی تو ابتداء ان الفاظ سے ہوئی۔

ترجمہ:- "پڑھ اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو، تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہیں تھا (سورۃ العلق۔ آیۃ ۱ تا ۳)

جس ہستی نے اپنی وحی کی پہلی قسط میں علم کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا۔ غارِ حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک اُمّی نبی سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے ہدایت کا پیغام لینے گئے تھے جنہوں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا اُن پر وحی نازل ہوتی ہے اور اُس کی ابتداء بھی "اقراء" سے ہوتی ہے۔ جو خود پڑھا ہوا نہ تھا۔ اُس پر آپؐ سے خطاب کیا جا رہا ہے تو اقراء سے۔ اس لئے آپؐ کو جو امت دی جانے والی ہے اس کو علم کی سچی طلب ہی نہ ہوگی بلکہ وہ قوم علم آموز ہوگی۔

علم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ یہ صفت سوائے اپنے نائب یعنی انسان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کو عطا نہیں

Scanned with CamScanner

فرمائی۔ انسان کو علم دے کر پیدا کیا اور علم بھی ہر اُس چیز کا جو زمین اور آسمان پر نظر آتی ہے۔ علم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پہچاننا ہے۔ اُس کی عظمت اور کبریائی کا یقین دل میں لانا، اس کا شکر ادا کرنا اور کائنات یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اُسے اپنے بس میں کر لینا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ "آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کا بدلنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔"

(سورۃ العمران۔ آیۃ ۱۳۰)

یعنی خود خالق کی یہ منشاء ہے کہ انسان اس کائنات کے سربستہ رازوں کو عیاں کرے

ہمارا مذہب ہی صرف ایسا مذہب ہے جس نے علم کی طلب کو فریضہ بنا دیا ہے۔ ہمارے لئے علم حاصل کرنا عبادت بنا دیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی یہ شان بتائی گئی کہ وہ اپنے علم کو ترقی دے گا۔ تسخیر کائنات کرے گا۔ ہم اس بات کا مطالعہ کریں جب حضور اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی۔ اس وقت پورے عرب میں لکھنا پڑھنا بہت کم لوگ جانتے تھے۔ جن کا شمار انگلیوں پر ہوتا تھا۔ مگر جب حضور اکرمؐ رحلت فرما گئے اس وقت صحابہؓ کرام کی ایک اچھی خاصی جماعت بلکہ بہت بڑی اکثریت پڑھنا لکھنا جان چکی تھی۔ جو صحابی باقی تھے تو انہیں علم حاصل کرنے کا شوق اس قدر تھا جس کی مثال ہمیں بعد کے دورِ خلافت یعنی خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت میں ملتی ہے۔ حتیٰ کہ دورِ راشدہ کے علاوہ بنو عباس اور بنو امیہ کے کے زمانے میں تعلیم بہت عروج پر معلوم ہوتی ہے۔

علم پر جو زور اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اس کو ہمارے بزرگوں نے تو خوب سمجھا لیکن افسوس ہم نہ سمجھ سکے۔ نتیجہ یہ کہ سائنس، فلسفہ، علم و ادب میں ہمارے بزرگ تو سب کچھ تھے۔ مگر ہم کچھ نہیں۔ ہم نے وہ تعلیم بھی بھلا دی اور بزرگوں کے کارنامے بھی بھلا دیئے مگر دوسری قوموں نے اس راز کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ انہوں نے ہمارے بزرگوں سے سیکھ کر اپنے علم کو خوب بڑھایا۔ یورپ کے ہی ایک مورخ اپنی کتاب میں کچھ یوں تحریر کرتے ہیں۔ "یورپ کی درسگاہوں میں چھ برس تک عربی کتابوں کے ترجمے پر زندہ رہے۔ ان درسگاہوں یونیورسٹیوں میں عربی علماء کی تصنیف کی ہوئی کتابیں درس د کے لئے مروج تھیں۔

ریاضی، الجبرا، ستاروں کا علم، مساحت، کیمیا وگری، قطب نما گھڑیوں کی ساخت، جہاز رانی، جہاز سازی، سیاحت کاشتکاری، نہروں کی کھدائی، اسلحہ سازی، علم جراحی وغیرہ میں ہمارے بزرگوں نے نئے نئے کامیاب تجربات کیے۔ اس وقت یورپ میں علاج کے لئے جھاڑ پھونک، جادو گنڈے اور فلیتے وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔ بوعلی سینا جدید طب کا بانی ہے۔ سب سے پہلے ابن خلدون نے دنیا کو علم عمرانیات سے روشناس کرایا۔ ابن رشد نے یورپ کو فلسفہ سکھایا۔ تاریخ کا پہلا کیمیا دان جابر بن حیان تھا۔ ابو الہیثم کی کتاب المناظر طبعیات کی سب سے اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ نباتاتی سائنس میں ابتدائی تحقیق کا سہرا ابو حنیفہ دینوری کے سر ہے۔ اُن کی کتاب النبات ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔

یعقوب بن طارق دورِ اوّل کے سائنسدانوں میں سے ایک ہے جس نے علم ہیئت اور ریاضی میں بہت کمال حاصل کیا اور بنیادی

Scanned with CamScanner

کتابیں لکھیں۔ خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے زمانے میں علماء کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ اُس زمانے میں بھی بہت سے علمائے کرام، عالم دین، عالم فن اور بہت سے محققین اور سائنسدان گزرے ہیں۔ اس زمانے میں ایک عالم حیوانیات عبدالمالک اصمعی تھے۔ اُن کی بنیادی معلومات کا لوہا اہلِ یورپ کے حیوانیات کے ماہر تک مانتے ہیں۔ عبدالمالک اصمعی کی کتاب الوحوش حیواناتی سائنس کی ابتدائی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ تاریخ ادب، فلسفہ، قصہ گوئی کو بھی ہمارے بزرگوں نے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ مگر جب بعد کے مسلمانوں نے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو یکسر فراموش کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا شوقِ علم بھی جاتا رہا۔ ہم علماء کی محفلوں سے بھی دُور ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ہم نے علمائے کرام اور محققین کی عزت کرنی بھی چھوڑ دی۔ ہم گھٹتے گئے، پست ہوگئے اور دوسری قومیں ہم سے آگے نکل گئیں۔ کیونکہ علم اور شوق کا رجحان اُن میں بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ زمین کے بعد چاند کو تسخیر کرنے میں لگ گئے۔ ہم دنیا اور زمانے سے بہت پیچھے رہ گئے۔ کیا ہم لوگوں کے پاس بڑی بڑی درسگاہیں نہیں۔ بڑے بڑے کارخانے نہیں۔ بڑی بڑی صنعتیں ہمارے پاس نہیں۔ کیا طیارے بحری جہاز، فوجی سامان نہیں۔ یہ سب ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم صرف اُن کو استعمال کرنا جانتے ہیں مگر اُن کو بنانے کا شوق نہیں صرف اور صرف اس لئے ہمیں علم حاصل کرنے کا شوق ہی نہیں اور ہم نے جو تعلیم حاصل بھی کی ہے یہ وہ تعلیم ہی نہیں جو ہمیں ایک شعور رکھنے کہ ہماری سوچوں کا دھارا تخریبی کے بجائے تعمیری ہو جائے۔ دراصل علم یہ ہے جو ہمیں نئی نئی باتیں سکھائی دیں۔ ترقی کے نئے نئے راستے ہموار ہوں اور ترقی بھی ایسی کہ کائنات تسخیر ہو جائے۔

آج ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو پاکستان کے مظلوم عوام کے رستے ناسور پر مرہم بن جائے، جو انسانیت کا تحفظ کرے جو ہر شخص میں اچھے اور بُرے کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرے گی سب سے بڑھ کر نظریۂ پاکستان کے مطابق ہو جو ہمیں نہ صرف ایک اچھا شہری، اچھا پاکستانی بنائے بلکہ ایک سچا مسلمان بھی بنائے۔

علم اپنا اہم ترین مقصد
علم دونوں جہاں کی ہے دولت

علم پروردگار کا ہے سرمایہ
علم تاریخ کی ہے امانت

بقیہ "تعلیمی دور اور لڑکیاں"

لسانی خصوصیات اور اسلامی اخلاقیات اور روایات کا آئینہ دار ہو، اُن کے مدارس کا ماحول گھر جیسا ہو تاکہ وہ جو کچھ پڑھیں لکھیں وہ ان کی عملی زندگی میں کام آئے اور مشکل وقت میں اُن کے کام آ سکے۔ تعلیمی مدارس نہ صرف لڑکیوں کی تعلیم کا سبب بنے بلکہ ان کو آئندہ آنے والی نسلوں کو تربیت دینے کے لئے بھی تیار کر سکے اور اس طرح خواتین جو ملک کا نصف حصہ ہیں ان کو تعلیم دلا کر ملک و قوم کی ترقی کے لئے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔

بیگم حافظ عزیز الرحمٰن
بلاک - آر - نارتھ ناظم آباد - کراچی

ایثار

اپنے بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں معذرت کے ساتھ! حقیقت کا سامنا تلخ ہوتا ہے لیکن تلخی کو سمجھنے کی کوشش کریں تو انسانیت کی عظمت بھی اسی میں پنہاں ہے۔ تپش برداشت کرکے جو شہد حاصل ہوتا ہے وہ کس قدر میٹھا ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی ضروری ہے وہ کیا ہے؟ "ایثار" صرف "ایثار"۔ دیکھئے ہم نے کہا "ایثار" کیا؟ شاید ہم ایثار کے معنی بھی نہیں جانتے اسی لئے ہمارے دلوں میں خوفِ خدا بھی نہیں رہا۔ یہ جذبہ تو ہمیں عشقِ حقیقی سے حاصل ہوتا ہے۔ اصل قربانی تو خدا اور رسول ؐ کی محبت سے حاصل ہوتی ہے۔ قربانی تو ہر انسان کر دیتا ہے لیکن کیسی قربانی؟ جس سے دوسروں کو خوشیاں حاصل ہوں وہی اصل "ایثار" ہے۔ ذرا سوچیے میدانِ جنگ میں ایک فوجی اپنی جان دیتا ہے۔ کیا اُسے اپنی جان پیاری نہیں؟ آخر اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ دوسروں کی خاطر اپنے سینے پر گولی کھائے۔ شاید وہ ایثار کے معنی سمجھتا ہے۔ اُس کی ایک قربانی اُس کی قوم اور ہم وطنوں کو آزادی اور مسرت کی زندگی میسر کرے گی۔ یہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جو اپنے سینوں میں قربانی کا جذبہ رکھتی ہیں۔ کیا یہ جذبہ ہمارے سینوں میں نہیں؟ ہے، ضرور ہے۔ لیکن کہاں؟ شاید مغربیت کے ملمع کے نیچے دب گیا ہے۔ کیوں ایسا ہے؟ اس لئے کہ آج کا انسان آنکھیں بند کرکے اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ اس اندھا دھند دوڑ میں وہ کہاں کہاں ٹکراتا ہے اور اس ٹکراؤ میں کیا کچھ کچلا جاتا ہے۔ اس کی اس کو بالکل پرواہ نہیں۔ کیوں ایسا ہے؟ شاید اس لئے کہ ہم دنیا کو خواہش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دنیا سانپ کی پیٹھ کی مانند ہے جو دیکھنے میں خوبصورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا زہر انسان کو ختم کر دیتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہر چمکنے والی چیز سونا بھی نہیں ہوتی تو پھر مغربی چمک کے پیچھے کیوں دوڑ رہے ہیں، اور اپنی تہذیب و تمدن کی قربانی دے رہے ہیں۔ یہ کیسی قربانی ہے جو انسان کی قدر و منزلت کو مسمار کر رہی ہے۔ آج ہم اپنی راہ سے کیوں بھٹک گئے ہیں؟ دوسروں سے اُن کی خوشیاں چھین رہے ہیں۔ ہم اپنے والدین، معاشرے، تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کے اور اپنی اولاد کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ شاید اصل مقصدِ حیات سے غافل ہو گئے ہیں۔ اسی لئے خدا کو بھی بھول گئے ہیں۔ اپنے آپ میں ڈھونڈیے کہ آپ دوسروں کے لئے کیا قربان کر رہے ہیں؟ حقائق پر نظر کرنی بحث نہیں بلکہ ضمیر کو جگانا ہی مقصود ہے۔ یہ وہ ضمیر ہے کہ جو روزِ محشر

مسز فرحت ضیاء۔ گلشنِ اقبال۔ کراچی

سچی کہانی

وہ میرے پاس آئی، میرے پاس بیٹھی رہی۔ باتیں کرتی رہی اور چلی گئی۔ اور میں سوچنے لگی کہ یا تو میں بہت سیدھی ہوں یا وہ بہت بیوقوف تھی۔ پہلی ملاقات میں تو لوگ صرف نام پر اکتفا کرتے ہیں یا پھر تھوڑی بہت ادھر ادھر کی باتیں کر لیتے ہیں۔ مگر یہ کیا اس نے تو پہلی ملاقات میں ہی اپنے دل کے زخموں کو دکھا دیا۔ اس کے زخم بھی تو کاری تھے۔ وہ تو پہلے ہی دکھی تھی، اپنی اداسیوں کو خوشیوں میں تبدیل کرنے کی خواہاں تھی مگر قسمت نے یہاں بھی یاوری نہ کی۔

اُس کا تعلق پشاور کے شہر کوہاٹ سے تھا۔ عام مشرقی روایتوں کی پاسی دو بہنوں کی شادی ماں باپ کی پسند سے ہو چکی تھی۔ چھوٹی ہونے کی وجہ سے تعلیم کا بہت شوق تھا۔ ماں باپ نے بھی کھلی آزادی دے رکھی تھی۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب اُس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ جانا چاہا تو ماں باپ کو خیال آیا کہ یہ عمر تو شادی کی ہے۔ مگر حد درجہ خود مختاری کی وجہ سے رابی نے شادی سے انکار کر دیا۔ پشاور سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ماں باپ نے اس پر سختی کی اور کہا کہ تمہاری مرضی، شادی کے بعد جو دل چاہے کرو۔
اور آخر ایک دن ایک پیرا سے شادی کر دی گئی۔

شادی کی پہلی ہی رات جو کہ امنگوں کی رات ہوتی ہے اس نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار شوہر سے کر دیا۔ شوہر نے اپنی آزاد خیال بیوی کو اس لئے قبول کر لیا کہ شاید یہ بدل جائے۔ جب رابی کو اس میں ناکامی ہوئی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں SMOKE کرتی ہوں۔ اس پر بھی اس نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ میری بیوی مشرقی ہے۔ مگر شادی کے پندرہ روز بعد رابی نے اپنا کمرہ علیحدہ کر لیا۔ مشرقی شوہر کے دل پر جو گزرتی تھی وہ تو گزری مگر حالات نے یہ بتا دیا کہ رابی اس کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔ ۱۵۰۰ روپے ماہوار آمدنی، اس کے لئے کئی ٹیوشن۔ مگر سادہ لوح وفادار شوہر رابی کو متاثر نہ کر سکا۔ اور آخر اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا جو کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مل گئی کیونکہ حالات پہلے ہی تیار ہو گئے تھے۔

اب رابی کو نئے حالات سے مقابلہ کرنا تھا۔ ماں باپ خلاف ہو گئے تھے۔ مگر خود سر رابی اپنے آپ کو حق پر سمجھتی تھی۔ ہمارے معاشرے میں مطلقہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ لوگ جو رابی کی تعریف کرتے تھے اُس کے گن گاتے تھے اب اس سایہ سے بھی بھاگنے لگے۔ رابی کو ہونٹوں کی لالی لگانے کے حق سے بھی محروم کیا جانے لگا۔ رابی تنگ آ چکی تھی اور وہ سب کو چھوڑ کر کراچی اپنے رشتے کی آنٹی کے پاس آ گئی۔

آنٹی کی بھی تین بیٹیاں تھیں۔ انہوں نے بھرپور انداز میں اس کا استقبال کیا۔ یہاں آکر اُس نے سروس جوائن کر لی۔ مگر آہستہ آہستہ یہاں بھی حالات میں کھنچاؤ پیدا ہونے لگا۔ آنٹی کی نظر میں ان کی لڑکیوں کا مطلقہ کے ساتھ رہنا اچھا نہیں تھا۔ رابی پریشان تھی کہ وہ کیا کرے۔ اُدھر اس کی ملاقات اس کے باس کے دوست سے ہوئی وہ ایک اسٹوڈنٹ تھا۔ عراق سے تعلیم حاصل کرنے آیا ہوا تھا۔ دل لگانے کے لئے رابی پسند آگئی۔ رابی شکستہ دل تھی۔ وہ ٹوٹے ہوئے پھول کی طرح اُس کی جھولی میں آگری۔ زندگی میں بہار آگئی نسیم سحر چلنے لگی۔ رابی کو محسوس ہوا کہ یہ وہی زندگی ہے جس کی وہ تمنا کرتی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھی۔

ایک دن اس نے خوشی سے فارس کو بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ محبت کی آغوش میں ایک کِھل کھلنے کو تیار ہے۔ مگر فارس اپنے چہرے پر وہ دمک نہ لا سکا جس کی رابی منتظر تھی۔ اس نے رابی سے کہا کہ میں ابھی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں نے تم سے شادی کی ہے مگر میں بچہ افورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے ماں باپ میری تعلیم کے لئے جو پیسہ بھیجتے ہیں وہ میں تم پر خرچ کر دیتا ہوں۔ مگر رابی نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اولاد کے ذریعہ فارس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا چاہتی تھی تاکہ فارس اس کا اور صرف اس کا رہے۔ لوگ اُس سے کہتے تھے کہ عربی چار چار شادیاں کرتے ہیں وہ تمہیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ مگر اُسے یقین تھا کہ فارس کی اولاد اُسے اُس سے دُور نہیں ہونے دے گی۔ ماں بننے کی خواہش اور خواہش کی تکمیل نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور پھر ننھی نجیبہ کے وجود نے رابی کو ماں اور فارس کو باپ کا رتبہ بخش دیا۔ دیا۔ مگر یہ کیا فارس تو رابی سے دُور ہونے لگا۔ وہ تو اس کے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاتا تھا۔ راتوں کو غائب رہتا۔ ننھی نجیبہ کی بیماری نے اُسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ وہ تنہا حالات سے مقابلہ کر رہی تھی۔ لوگ اُسے بہت بہادر کہتے تھے مگر آج اپنی بچی کے لئے بزدل ہو چکی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ دو گھنٹے سے نجیبہ رو رہی تھی۔ فارس کا پتہ نہیں تھا۔ ممتا سے مجبور ہو کر رات کو پڑوسیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں گئی۔ واپسی میں گھر میں فارس نے گندے کلمات سے استقبال کیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ وہ ڈاکٹر کے ہاں گئی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اس کے اعصاب تھک گئے تھے اس کے اعصاب تھک گئے تھے۔ اس کے حوصلے نے جواب دے دیا تھا وہ فارس کو کیسے یقین دلاتی کہ میں ماں ہو گئی ہوں اور تم باپ۔ فارس حالات سے مقابلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے وہی مشاغل تھے۔ وہی دوست، وہی محفل اور رابی سے بیزاریت۔ اُس نے محفل دوسری جگہ سجانی شروع کر دی۔ رابی پریشان تھی۔ اُسے اپنے ماں باپ، اور بھائی بہن بُری طرح یاد آ رہے تھے۔ آج اس کی بیٹی سوا مہینہ کی ہو گئی تھی۔ اُس کی طبیعت خراب تھی۔ کوئی بھی اس کا دکھ درد بانٹنے والا نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ تنہائیوں کے خول میں بیٹھی وہ سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔ سوچوں کے جزیرے تھوڑی دیر کے لئے بچی کے رونے پر ٹوٹ جاتے۔ پھر وہ سوچ کے سمندر میں غرق ہو جاتی۔

ڈاکٹر کی دوائیوں کا پرچہ جو کہ بچی کے لئے تھا اس کے ہاتھ میں تھا۔ فارس دوائیاں لینے گیا ہوا تھا۔ مگر نہ جانے کونسی دوائیاں تھیں تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ بچی رو رو کر سو گئی تھی اور وہ سوچ رہی تھی جو کرب، جو تکلیف اس نے اپنے ماں باپ کو دی تھی، اپنے پہلے شوہر کو دی تھی اُسے اس سے زیادہ مل رہی تھی۔ وہ تڑپ رہی تھی مگر اس کی کسک محسوس کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کا زندگی کا ساتھی۔ اس کا شوہر، اُسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

Scanned with CamScanner

اور پھر ایک دن نارس نے اپنے جانے کا مژدہ سُنا دیا وہ رو دی۔ نہ جانے نارس پاکستان آئے یا نہ آئے۔ وہ کہتا ہے میں عراق جا کر ویزا بھیج دوں گا۔ مگر اُس کی لاپرواہیاں اُسے ڈرا رہی ہیں وہ رو رہی تھی، ضبط کر رہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ پہلی ملاقات میں اُس نے سب کچھ مجھ پہ آشکارا کر دیا۔ وہ خود تو چلی گئی مگر ایک خلش چھوڑ گئی۔ ایک یادگار چھوڑ گئی، ایک سبق چھوڑ گئی لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کہ ماں باپ اپنی اولاد کے لئے جو کچھ کرتے ہیں وہ بھلے کے لئے کرتے ہیں اور اگر خراب بھی ہو رہا ہو تو بگڑے کام اُن کی دعا سے بن جاتے ہیں۔ سمجھ کا قصور تو ہمارا ہوتا ہے کہ ہم بڑے ہو کر سقراط بن بیٹھتے ہیں اور ہمیں اس بات کا احساس جب ہوتا ہے جب ہم خود اس غم سے آشنا ہوتے ہیں۔ یعنی جب ماں یا باپ بنتے ہیں۔

بقیہ "ایثار"

بھی شرمساری سے بچائے گا اور زندگی میں بھی بلند درجات سے روشناس کرتا ہے۔ تو ہم نے اس جذبہ کو کیوں بُھلا دیا ہے۔ آج کا انسان علم کی شمع ہاتھ میں لے کر بھی اندھیرے میں ہے۔ ایسی تعلیم کا کیا فائدہ کہ ہم اپنی راہ کے خاروں کو چُن کر انسانیت کی عظمت و سربلندی نہ پا سکے۔ تو کس کام کی یہ زندگی؟۔ خدارا زندگی کو حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ کو ہر کڑوا گھونٹ بھی شہد سے زیادہ میٹھا معلوم ہوگا۔ اور اس جذبہ کے لئے سب سے عظیم "ایثار"۔ مقصد حیات صرف "ایثار" ہے۔

شائستہ پروین بی اے سال دوم

"ایسا کچھ کر کے مرو کہ بہت یاد رہو"

* اگر ایک سرسبز پودا نہ بن سکو تو ایک سرسبز ننھا سا پتّا بن جاؤ کیونکہ پودے کی خوبصورتی پتّوں ہی کے دم سے ہے۔
* اگر پتّہ بھی نہ بن سکو تو شبنم کا ایک قطرہ بن جاؤ جھلمل کرتا ہوا ننھا سا قطرہ، جو پودے اور پتّے کو حُسن بخشتا ہے۔
* اگر ایک مسکراتا ہوا پھول نہ بن سکو تو اُس کی مہک بن جاؤ جو مایوس دلوں کو نئی زندگی اور خوشیوں سے معطّر کرتی ہے۔
* اگر یہ بھی نہ بن سکو تو غریب کے گھر کا چراغ بن جاؤ۔ کسی اندھے کی آنکھ کا نور بن جاؤ اور اُسے جلا بخشو۔
* اگر شاہراہِ حیات میں چاند نہ بن سکو تو ستارہ بن جاؤ۔ صبح کا ستارہ۔ جو بھٹکے ہوئے لوگوں کو اُن کی منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
* اگر گیت نہ بن سکو تو زبان کی شیرینی بن جاؤ اور دوسروں کے دل موہ لو۔
* اگر پیار کا دلنشیں نغمہ نہ بن سکو تو خزاں کا گیت بن جاؤ کیونکہ دکھیاروں کو یہ بھی سکون دیتا ہے۔

Scanned with CamScanner

فرحت العین لقمان، درجہ نہم

اللہ کرے...

میرے ہاتھوں میں ایم۔ اے کی ڈگری تھی اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب میں گھر جاؤں گی تو میرے بہن بھائی کتنے خوش ہوں گے۔ ہمارے گھر میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا۔ کسی نے بھی میٹرک سے آگے نہ پڑھا تھا۔ فرح باجی نے میٹرک کیا۔ نصرت باجی کا پڑھائی میں دل نہ لگا۔ جب میں نے بی۔ اے کرنے کے بعد ایم۔ اے میں داخلہ لیا تو سب لوگوں نے میرا مذاق اڑایا کہ بی ملانی چلی ہیں ایم۔ اے کرنے۔

لیکن میں نے پروا نہ کی۔

وقار بھائی نے کہا کہ دیکھو اگر تم ایم۔ اے کرو گی تو یہ سارے رسالے ٹی وی وغیرہ چھوٹ جائیں گے۔

میں نے پھر بھی پروا نہ کی!

پپّو نے کہا۔ تمہارے ایم اے کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟

تو میں نے کہا کہ ــــ تم جو ٹیوشن پڑھتے ہو تو میں تمہیں پڑھا دیا کروں گی۔ پپّو نے میرا خوب مذاق اڑایا۔ لیکن

میں نے پھر بھی پروا نہ کی!

فرح باجی، نصرت باجی، وقار بھائی اور پپّو کی باتیں سن کر ایک لمحے کے لئے میں بھی سوچ میں پڑ گئی۔ کیا کروں کیا پتہ میں ایم۔ اے کر بھی سکوں گی یا نہیں۔

پھر مجھے سائرہ، انیلا اور ہما کا خیال آیا۔ وہ بھی تو ایم۔ اے کر رہی ہیں تو میں کیوں نہیں کر سکتی۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے مجھے ایم اے کر کے پروفیسر بننا ہے۔

اس کے بعد میں نے اتنی محنت اور لگن سے پڑھائی کی کہ سارے رسالے وغیرہ چھوڑ دیئے۔ میٹرک میں فرسٹ ڈویژن آنے پر امی نے مجھے گھڑی کا تحفہ دیا۔ اس کے بعد ایف۔ اے میں اتنے اچھے نمبر آنے پر میں خود حیران رہ گئی۔ ایم اے کرتے ہوئے احساس ہوا کہ منزل بہت قریب ہے۔ اکثر لوگوں نے مجھے پروفیسر کہنا شروع کر دیا۔

پہلی دفعہ جب پپّو نے کہا پروفیسر باجی یہ سوال سمجھا دیں تو خوشی کے مارے میرا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

پانچ سال ایک طویل عرصہ ہوتا ہے لیکن کالج اور یونیورسٹی میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وقت پر لگا کر اُڑ رہا ہو۔ ایک امتحان سے فارغ ہوتی تو دوسرا سر پر آ جاتا۔ اسی طرح امتحان دیتے ہوئے ایم اے کر لیا جس کا بچپن سے انتظار تھا۔

میں نے ایک بار پھر ڈگری کو کھول کر دیکھا اور گھر کی طرف چل پڑی۔ بس کا صبر آزما سفر ختم ہوا اور میں تیز تیز قدموں سے گھر کی جانب چلی۔ جب صحن میں قدم رکھا تو زور سے چلائی۔ پپّو ادھر آؤ۔

باقی صفحہ ۱۴۴ پر

Scanned with CamScanner

ایک یادگار سفر

کراچی اگرچہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور سمندر میں پانی کی فراوانی ہے مگر پھر بھی اس شہر کے باسی اکثر بارانِ رحمت کے نزول کے لئے دعاگو رہتے ہیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ جب خدا خدا کرکے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے تو وہ بارانِ رحمت کے بجائے بارانِ زحمت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

سنا ہے کہ جب گیدڑ کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے لیکن ہماری جب شامت آئی تو ہم نے بارش کے دوران پبلک ٹرانسپورٹ کی بس میں سفر کیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب ہم اسکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ ہوا یوں کہ ایک دن اسکول میں خبر آئی کہ دوسرے دن ایک ڈائریکٹر آف ایجوکیشن صاحب اسکول کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں اس اس لئے تمام طالبات کو صاف ستھری یونیفارم پہن کر آنا تھا۔ ہم کو اور کچھ دوسری لڑکیوں کو جو کلاس میں صحیح کام کرتی تھیں اور نمایاں تھیں ہماری کلاس ٹیچر نے خاص ہدایت کی کہ اپنی کاپیوں، کتابوں سمیت دوسرے دن ضرور آنا ہے۔ ہم بڑے خوش تھے کیونکہ ہمارا تمام کام مکمل تھا اور ہم کو پورا یقین تھا کہ ڈائریکٹر صاحب ہمارے کام کی یقیناً تعریف کریں گے۔ ہم کو خوشی اس بات کی بھی تھی کہ کسی ڈائریکٹر کے دیدار کرنے کا ہمارے لئے یہ پہلا موقع تھا۔ گو اِس سے پہلے بھی ڈائریکٹر صاحبان اسکول کے دورے پر آچکے تھے مگر ہر مرتبہ قسمت آڑے آئی اور ہم اسکول نہ پہنچ پائے۔

بہرحال گھر آکر ہم نے دوسرے دن کی تیاری شروع کردی۔ کتابوں، کاپیوں پر نئے سرے سے کور چڑھائے۔ ان پر منقش طور پر نام لکھے۔ یونیفارم دھوئی۔ اس پر استری کی جوتے پالش کیے۔ اور آخر کار رات گیارہ بجے بستر پر دراز ہوگئے۔

صبح اٹھے تو دیکھا بارش ہو رہی ہے۔ ہم بڑے حیران ہوئے کیونکہ رات ٹی وی پر خبروں میں بارش "ہونے" کی پیشنگوئی کی گئی تھی (کیونکہ محکمہ موسمیات کی پیشنگوئیاں اکثر غلط ہوتی ہیں۔) ہم اسکول بس سے جاتے تھے اور بس گھر کے دروازے تک آتی ہے۔ اس لئے ہم کو زیادہ پریشانی نہ ہوئی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر بس کا انتظار کرنے لگے۔ بس کے آنے کا وقت ساڑھے چھ تھا۔ مگر جب سات بج گئے تو ہماری پریشانی عروج پر پہنچ گئی۔ گھر میں ابّو بھی نہیں تھے جو اسکول چھوڑ آتے۔ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے۔ آخر ہم نے زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھا اور پبلک ٹرانسپورٹ کی بس سے جانے کا مصمم ارادہ کیا۔ امّی نے اور بھائی جان نے منع بھی کیا تھا کہ آج مت جاؤ۔ اسکول کی چھٹی ہو جائے گی۔ مگر ہم کمر ہمت باندھ چکے تھے۔ لہٰذا اپنی ضد پر اَڑے رہے۔ ہم بھیگتے بھاگتے بڑی مشکلوں سے بس اسٹاپ پر

کھڑے ہوتے۔ کسی پبلک بس سے سفر کرنے کا ہمارے لئے یہ پہلا تجربہ تھا۔ ہم کو اپنی مطلوبہ بس جونہی نظر آئی ہماری باچھیں کھل گئیں۔ اور ہم بس کی طرف تیزی سے لپکے اس سے پہلے کہ ہم بس تک پہنچتے کوئی "جیمز بانڈ" صاحب اپنی گاڑی اِس تیزی سے لے کر گئے کہ ہمارے کپڑوں پر ایشیا کا نقشہ ثبت ہو گیا۔ جب بس آکر رُکی تو ہم تیزی سے بس کے دروازے پر چڑھے مگر اس سے پہلے کہ ہم کو بس کے اندر تک رسائی حاصل ہو ایک پہلوان صنفِ عورت نہایت تیزی سے اتریں اور اُن کے زور میں ہم نیچے آرہے۔ جتنی دیر میں ہم سنبھلے اور کھڑے ہوتے بس یہ جا اور وہ جا۔ ہم اپنے آپ کو کوستے ہوئے پھر انتظار کی گھڑیاں گننے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہماری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر خدا خدا کرکے دوسری بس آئی اور ہم اس پر سوار ہونے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو ہی گئے۔ اندر پہنچ کر ہم کو احساس ہوا گویا ہم کو کسی ڈربے میں ٹھونس دیا گیا۔ بس کی یہ حالت کہ جگہ جگہ سے چھت سے بے نیاز، فرش پر کیچڑ کی تہیں جمی ہوئیں۔ سگریٹ کے دھویں کے مرغولے اوپر کی جانب رواں دواں تھے۔ اوپر سے بارانِ رحمت کا نزول اور ان سب کے درمیان ہمارا ناتواں وجود اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلبگار۔ ایک خاص بات جو ہم نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ ہر مسافر ہماری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ہم بڑے حیران کہ لوگ اس درجہ خوش اخلاق کب سے ہوگئے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں خیر ہم نے بھی ان کی مسکراہٹ کا جواب مسکرا کر دینا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارے حلق سے ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی۔ دراصل ایک خاتون ہمارے پیر کو فرش سمجھ بیٹھی تھیں۔ دکیونکہ دونوں کا رنگ ایک تھا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص گلے میں چمڑے کا تھیلا لٹکائے کچھ بڑبڑاتا ہوا ہمارے سامنے سے گزرا۔ لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ کنڈیکٹر تھا اور بس کا کرایہ لیتا تھا۔ ہم نے بھی کرایہ دے کر ٹکٹ خریدا۔ تھوڑی دیر بعد بس ایک جگہ رکی تو کنڈیکٹر نے ہمارے اسکول کا نام لے کر پکارا۔ ہم بڑے خوش ہوئے کہ ہمارے اسکول کا نام ہر خاص و عام جانتا ہے۔ جب بس چلنے لگی تو ہم کو اپنے اسکول کی ایک جھلک نظر آئی۔ اس وقت بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ جلدی جلدی اپنا لبادہ سنبھالے انسانوں کے اس جمِ غفیر کو چیرتے، لاکھ جتن کر کے گیٹ تک پہنچنے میں کامیاب بھی نہ ہوئے تھے کہ بس چل پڑی اور اس تیزی سے چل پڑی کہ تمام مسافر عورتیں ہمارے اوپر آرہیں۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ایک سیٹ کا کونہ تھا جس نے ہم کو تیسرے سجدے سے باز رکھا۔

اگلے اسٹاپ پر بس رکی تو ہم نے چھلانگ لگا دی۔ نیچے اتر کر ہم نے اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائی تو تھوڑے فاصلے پر ہم کو اسکول کی عمارت نظر آئی۔ ہم نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اسکول کی طرف دوڑ لگا دی راستے میں کچھ بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ اُن کی گیند کسی میزائل کی مانند ہماری کھوپڑی پر آگری۔ آخر کار بڑی مشکلوں سے اسکول پہنچے تو ہمارا حلیہ بالکل افریقی قبائل کے جنگلیوں کا سا تھا۔ جب ہم نے اسکول کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ اسکول اب دو دن بند رہے گا۔ اور ڈائریکٹر صاحب اگلے ہفتے آئیں گے۔ یہ سُننا تھا کہ ہمارا جسم سُن ہو گیا کیونکہ ہم اس دفعہ پھر بس سے واپس جانے والے تھے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہم بارش کے وقت گھر میں ہی رہ کر اس کا لُطف اٹھاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

محمّد وسیم شہزاد
سال آخر، الیکٹریکل انجینئرنگ - این ای ڈی یونیورسٹی

اِمتحان

صَاحب امتحانات کیا تھے ہیں کہ طالب علم امتحانوں سے اسی طرح ڈرتے ہیں جیسے بچّے اندھیروں سے - بچّے کا خوف تو بڑے ہونے کے بعد شاید دور ہو جاتا ہے لیکن طالب علم کا امتحانوں سے خوف عمر کے ساتھ بڑھ تو سکتا ہے گھٹ نہیں سکتا۔

امتحانوں کا زمانہ بھی خوب زمانہ ہوتا ہے جہاں دماغ کی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیئے وہاں دل پوری مستعدی سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے - ہر قسم کی خواہشات دل میں جنم لینا شروع کر دیتی ہیں۔ گھومنے پھرنے، دن بھر پڑے رہنے کا ایسا شوق پیدا ہوتا ہے کہ بس پوچھیے مت۔ اس زمانے میں گھومنے پھرنے اور سیر و تفریح کے جتنے پروگرام بنائے جاتے ہیں شاید ہی کبھی اور بنائے جاتے ہوں - یہاں تک کہ ٹی وی جیسی ناقابلِ دید چیز کو دیکھنے کا ایسا شوق پیدا ہوتا ہے کہ انگریزی فلمیں اور ڈرامے تو بڑی بات ہیں خبرنامہ اور دستاویزی پروگرام تک دیکھ جاتے ہیں اور یہاں تک کہ بعض اوقات "انتظار فرمائیے" بھی بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں - غرض کہ اس زمانے میں پڑھائی کے علاوہ کوئی بھی کام کروالیں پوری ایمان داری اور دل جمعی سے کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں ہر وہ شخص جس کا امتحان نہ ہو رہا ہو خوش نصیب دکھائی دیتا ہے - اور اگر کسی کو گھومتے پھرتے یا بے فکر سوتے ہوئے دیکھ لیں تو ایک عجیب جلن اور حسد پیدا ہو جاتا ہے -

امتحانوں کا زمانہ طالب علموں کے لئے عبادتوں کا زمانہ ہوتا ہے بلکہ امتحانوں کا زمانہ کیا امتحانوں کا مہینہ کہہ لیں۔ جتنے ذوق و شوق سے اس مہینے میں طالب علم برادری عبادت کرتی ہے شاید ہی کسی اور مہینے میں کرتی ہو۔ یہ ماہِ امتحان طالب علموں کے لئے بڑا کٹھن مہینہ ہوتا ہے۔ اِس کا پہلا عشرہ سوچنے اور منصوبہ بنانے میں گزر جاتا ہے۔ کہ کیا پڑھنا ہے اور کیا نہیں پڑھنا ہے۔ یقیناً سب سے ضروری بات تو یہی ہے کہ آخر "اہم سوالات" بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ غرض کہ اس عشرے میں طالب علم اپنے کورس کو کاٹ چھانٹ کر اتنا کم کر دیتے ہیں جتنا ٹی وی والے انگریزی فیچر فلم کو۔

دوسرا عشرہ تیاری کا عشرہ ہوتا ہے اور یہ عشرہ پہلے عشرہ سے کہیں زیادہ کٹھن اور دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مرحلے میں اپنی کی گئی منصوبہ بندی پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی پڑھنا ہوتا ہے جو کہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی میں ہم بہت ماہر ہیں۔ ایک دو چھوڑ پانچ سالہ منصوبہ بندی کرالیں ہم سے۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے والا کام یہ ہماری استطاعت سے باہر ہے۔ آخر ماحول کا بھی انسان پر کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے۔ کے ڈی اے کو سڑک بنانی ہوتی ہے تو زمین ناپ کر بھول جاتے ہیں۔ درخت لگانے ہوتے ہیں تو گڑھے کھود کر بھول جاتے ہیں۔ امیدوار الیکشن سے پہلے جو وعدے کرتے ہیں الیکشن کے بعد بھول جاتے ہیں۔ ہمیں جو سوال یاد کرنا ہوتا ہے نشان لگا کر بھول جاتے ہیں۔

خیر صاحب، پھر وہ مرحلہ آجاتا ہے۔ وہ مرحلہ جو ہمیشہ وقت سے پہلے آجاتا ہے یعنی "روزِ امتحان" اس دن آپ پورے سال کے اعمال نامے ہاتھ میں لئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اِس پریشان حال مخلوق کے جمِ غفیر میں آپ کو ایسی مخلوق بھی نظر آئے گی جن کے چہروں سے خود اعتمادی جھلک رہی ہوگی اور چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ بھی ہوگی۔ اِس مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ کہ جنہیں ہم تمام دنوں میں کتابی کیڑا' پڑھاکو' اور اب شاید کچھ لوگ خلیفہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ کتابوں سے چمٹے رہتے ہیں لیکن جب امتحان دینے آتے ہیں تو کتابیں گھر بھول آتے ہیں اور یہیں اُن سے سب سے بڑی غلطی سرزد ہوجاتی ہے۔

لیکن جو دوسری مخلوق ہوتی ہے اسے کتابوں سے بے انتہا لگاؤ ہوتا ہے بلکہ انہیں تو کتابوں سے جنون کی حد تک عشق ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی لمحے کتاب سے جُدا نہیں ہو سکتے لیکن جب امتحان دینے آتے ہیں تو بھی کتابیں اپنے ہمراہ لے آتے ہیں۔ لیکن چند معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے امتحانی کمرہ میں کاپیاں اور کتابیں نہیں لے جائی جاسکتیں۔ اس لئے جس طرح عاشق تھوڑی سی خاک کوچۂ دلبر کی نشانی کے طور پر رکھ لیتا ہے' طالب علموں کی یہ صنف بھی کتابوں کے چند اہم اوراق اپنے ساتھ ضرور رکھ لیتے ہیں۔ لیکن آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اتنے بڑے اوراق سے امتحان میں ملا لینا کیسے ممکن ہے تو آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کہنہ مشق اور تجربہ کار سائنسدانوں نے ہاتھ رومال کے بہانے کو اکسیر بتلایا ہے لیکن طالب علموں کی اسی صنف سے تعلق رکھنے والے ایک جدت پسند گروہ نے اس طریقۂ کار کو دقیانوسی بتلایا ہے اور انہوں نے ایسے خوردبینی پرچے تیار کیے ہیں جو بیک وقت سائنس اور آرٹ کا شاہکار کہلانے کے مستحق ہیں۔ اگر یہ پرچے پرانے وقتوں کے کسی آدمی کو دکھلائے جائیں اور اُسے یہ بتایا جائے کہ طالب علم یہ پرچے نہ صرف بغیر کسی خوردبین کے دیکھ لیتے ہیں بلکہ امتحانی کاپی پر لفظ بہ لفظ تحریر بھی کرلیتے ہیں تو وہ یقیناً اس دور کے طالب علم کی بصارت اور قابلیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ یہ پرچے اتنی محنت سے تیار کیے جاتے ہیں کہ بعض طالب علم اپنی محنت اور قابلیت کے ثبوت کے طور پر یہ پرچے اپنی امتحانی کاپی کے ساتھ ہی منسلک کردیتے ہیں اور اس کا نتیجہ بہت جلد سامنے آجاتا ہے۔

جب تھیوری کے پرچے مکمل ہوجاتے ہیں تو عملی امتحان کی باری آتی ہے تو یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ جو بڑے

باقی صفحہ ۷۹ پر۔

Scanned with CamScanner

مسز روہ جوّاد۔ (ڈپلومہ مکنیکل)
گلبرگ۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

صراطِ مستقیم

یہ اُس دور کا واقعہ ہے جب امام ابو حنیفہ طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے۔ مخالف اسلام کے گروہ کا ایک شخص جو کہ اپنی قوم کا عالم فاضل، بڑا گویا اور بولنے والا تھا جماعتِ مذہبی کو لے کر بغداد پہنچا اور ہر محلّے میں یہ اعلان کیا کہ تم لوگ ہمارے چار سوالات کا جواب دو گے تو ہم یقیناً مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر تم لوگ جواب نہ دے سکے تو تم کو ہمارا مذہب قبول کرنا ہوگا۔ چنانچہ ایک روز اس نے عظیم الشان مجمع کرکے اس کے درمیان منبر بچھا دیا۔ جب تمام شہر جمع ہو گیا تو اس نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم میں سے کوئی جواب دینے کے لئے تیار ہو تو میں وہ چار سوال پیش کروں؟ جس کے جواب میں اس عظیم الشان مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن ایک گوشے میں سے کسی نے جواب دیا کہ میں تیرے سوالات کا پورا پورا جواب دوں گا۔ مگر اس شرط پر کہ تم منبر سے نیچے اتر آؤ میں منبر پر بیٹھ کر جواب دوں گا اس لئے کہ تم سائل ہو اور میں مجیب ہوں۔ یہ سن کر وہ دہریہ (کافروں کا عالم) فوراً منبر سے نیچے اتر آیا۔

لوگوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان جو ابھی طالب علم ہی ہے اس مجمع عظیم میں سے اُٹھ کر آیا اور اس منبر پر بیٹھ گیا۔ اور دہریہ (کافروں کے عالم) کو مخاطب کر کے کہا۔ اب آپ سوالات بیان کریں ہم جواب دیں گے۔

چنانچہ اُس نے سوالات شروع کیے:۔

پہلا سوال:۔ اس وقت تمہارا خدا کیا کر رہا ہے؟

آپ نے جواب دیا:۔

جواب:۔ میرا خدا اس وقت تجھ جیسے عالم فاضل کو اس منبر سے اتار کر مجھ جیسے ادنیٰ طالب کو منبر پر بٹھا رہا ہے۔ وہ جسے چاہے عزّت دے اور جسے چاہے ذلّت دیتا ہے۔

پھر آپ نے دوسرا سوال پوچھا۔

دوسرا سوال:۔ دہریہ (کافروں کے عالم) نے دریافت کیا کہ خدا کا منہ کس طرف ہے؟

جواب:۔ آپ نے فرمایا۔ آپ ایک شمع روشن کریں اور بتائیں کہ اس کا رُخ، اُس کا منہ کس طرف ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ قیامت تک شمع کا منہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کس طرف ہے۔ لہٰذا اچھی طرح سمجھ لیں کہ روئے ایزدی کی یہی مثال ہے کہ وہ چاروں طرف اپنے نور سے عالم کو منوّر کرتا رہتا ہے۔ یہ سُن کر وہ بہت نادم ہوا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ تیسرا سوال پیش کیجئے۔

Scanned with CamScanner

تیسرا سوال :- اُس نے دریافت کیا بتا خدا کہاں ہے ؟

جواب :- حضرت نے فرمایا کہ آپ (کافروں کا عالم) بتا سکتے ہو کہ روح کہاں ہے ؟ حالانکہ وہ تمہارے جسم میں موجود ہے - وہ روح جو اس خداوندکریم کے حکم سے پیدا ہوگی ہر ذی روح میں موجود ہے تو جناب اس کو نہیں بتا سکتے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے کہ وہ خالق کی روح کو بتا سکے۔

یہ سنکر وہ بہت متحیر ہوا اور چوتھا سوال پوچھا۔

چوتھا سوال :- خدا سے پہلے کیا تھا ؟

جواب :- حضرت نے دریافت کیا - بھلا گنتی بھی تم کو معلوم ہے ؟

کہا ہاں - حضرت نے فرما - اچھا گنو تو سہی - وہ ایک سے دس تک گن کر خاموش ہوگیا - آپ نے فرمایا پھر گنو وہ پھر ایک سے گننے لگا - آپ نے کہا کہ نہیں نہیں - میں یہ نہیں سُننا چاہتا - بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کی گنتی مجھے سنائیں، اس پر دہریہ (کافروں کے عالم) نے جواب دیا کہ حضرت ایک سے پہلے تو گنتی ہی نہیں ہے سناؤں کیا۔

جب وہ ایک سے پہلے کی گنتی سے عاجز ہوا تو آپ نے فرمایا کہ افسوس جناب کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ مجازی گنتی میں جب ایک سے پہلے کچھ نہیں تو اس حقیقی خدائے واحد سے پہلے کیا ہو سکتا ہے۔

یہ سنکر وہ عالم اور اس کے تمام ساتھی مسلمان ہوگئے۔

یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تھے جو اس وقت بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

ایک دوسرے بزرگ سے کسی کافر نے کہا کہ اگر آپ میرے تین سوالوں کا جواب دے دیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا - بزرگ نے کہا پوچھو۔

اُس شخص نے کہا، میرا پہلا سوال یہ ہے کہ جب خدا نظر نہیں آتا تو اُسے کیوں کر مان لیا جائے ؟ - دوسرا سوال یہ ہے کہ جب شیطان آگ کا بنا ہوا ہے تو دوزخ کی آگ اُس پر کس طرح اثر کرے گی۔ اور تیسرا سوال یہ ہے کہ جب ہر کام خدا کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے تو انسان اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔

بزرگ نے یہ سنکر قریب ہی سے ایک مٹی کا ڈھیلا (پتھر) اٹھا کر اس شخص کو مارا اور کہا کہ یہی تیرے تینوں سوالوں کا جواب ہے۔

اُس شخص کو مٹی کے ڈھیلے (پتھر) لگنے سے چوٹ آئی تھی - اس نے قاضی کے پاس جا کر مقدمہ دائر کر دیا۔

قاضی نے بزرگ کو طلب کیا اور کہا کہ آپ نے اس کے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے مٹی کا ڈھیلا (پتھر) کیوں مارا ؟

بزرگ نے فرمایا، یہی اس کے تینوں سوالوں کا جواب ہے۔ جب میں نے اسے مٹی کا ڈھیلا (پتھر) مارا تو اس کے چوٹ لگی اور درد محسوس ہوا - جب درد نظر نہیں آتا تو یہ درد کی تکلیف کو کیوں کر مان گیا - یہی اس کے پہلے سوال کا جواب ہے - خدا نظر نہیں آتا لیکن محسوس ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب یہ خود مٹی کا بنا ہوا ہے تو اس پر مٹی کے ڈھیلے (پتھر) نے کیسے اثر کیا - بالکل اسی طرح شیطان پر دوزخ کی آگ اثر کرے گی۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب میں نے اس کو مٹی کا ڈھیلا خدا کی مرضی اور حکم سے مارا ہے تو اس نے میرے خلاف مقدمہ کیوں دائر کیا اور مجھے کیوں ذمہ دار ٹھہرایا۔

یہ باتیں سُن کر وہ شخص مسلمان ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

شکیل احمد۔ پیر کالونی۔ کراچی

نیکی کا صِلہ

ایک شہر میں ایک آدمی رہتا تھا اس کا نام کالو تھا۔ اس کا کام دن رات شراب پینا، جوا کھیلنا، چوری کرنا اور لڑنا جھگڑنا تھا۔ محلّے والے اس سے نالاں اور پریشان تھے۔ لوگ اس کے مرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ آخرکار ایک دن کالو مر ہی گیا۔ محلّے میں چراغاں ہوا۔ سب خوش تھے اور اس کی بیوی غمگین۔ سب ہنسیں اور اُس کی بیوی روئے۔ بیچاری نے کفن دفن کا انتظام کرانا چاہا تو محلّے میں نہ تو کوئی مُردے کو غسُل دینے کو تیار ہوا نہ اُس کا جنازہ اٹھانے کو اور نہ جنازے کی نماز پڑھنے کو۔ بیچاری بڑی پریشان، کیا کرے کیا نہ کرے۔ زندگی جس کے ساتھ گزاری اس کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی۔ یہ غم اس کی جان کھائے جا رہا تھا۔ ایک ایک کے آگے ہاتھ جوڑتی، پاؤں پڑتی، منتیں کرتی، اللہ رسولؐ کے واسطے دے کر مرنے والے کی غلطیوں کو معاف کرنے کے لئے کہتی۔ لیکن کسی کا بھی دل اس کی آہ و زاری کو نہیں سُنتا تھا۔ بالآخر وہ بیچاری دوسرے محلّے میں گئی وہاں سے لوگوں کو بلا کر لائی جنہوں نے غسل دینے کے بعد جنازے کو اٹھایا اور اپنے محلّے کے قبرستان کی سمت چلے۔ راستے میں ایک پہاڑ تھا۔ اُس پہاڑ پر ایک بہت بڑے بزرگ سالہا سال سے عبادت کیا کرتے تھے۔ اُن کی عبادت کی شہرت دور دور تک تھی۔ برسوں سے لوگوں نے انہیں پہاڑ سے اترتے نہیں دیکھا تھا۔ اسی دن ایک برات ادھر سے گزر رہی تھی براتیوں نے دیکھا کہ وہی بزرگ نورانی صورت اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ زیرِ لب مسکراتے ہوئے عصا ٹیکتے چلے آ رہے ہیں۔ بارات والے قدم بوسی کے لئے رک گئے۔

پوچھا یا حضرت آج کیسے پہاڑ سے اترنا ہوا؟ بزرگ نے فرمایا، مجھے ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے کہ نیچے اتر، میرے ایک بڑے لاڈلے کا جنازہ آ رہا ہے۔ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ۔ اس کو اپنے ہاتھ سے دفنا اور اُس کے حق میں مجھ سے مغفرت چاہ۔ یہ سنکر تمام براتی بھی بزرگ کے ساتھ ہو لئے۔ چنانچہ کالو کا جنازہ بڑی شان و شوکت سے دفنایا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ خبر محلّے والوں تک بھی پہنچی۔ اُن سے پوچھا گیا اے لوگو، یہ کون سے بزرگ کا انتقال ہوا تھا جس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم اتنے بڑے بزرگ کو ملا۔ لوگوں نے جواب دیا میاں وہ بزرگ تو کوئی نہیں تھے البتہ کالو تھے اور محلّے میں اُن سے بڑھ کر گنہگار، بدکار اور سیاہ کار کوئی نہ تھا۔

سب محلّے والے اُن بزرگ کے پاس گئے، اُن کی قدم بوسی کی

اور اُن کو سارا واقعہ سنایا۔ بزرگ نے اس نیک بخت بیوہ سے پوچھا کہ اے عورت بتا یہ کونسا نیک کام کیا کرتا تھا جس کا اللہ نے اتنا بڑا اجر اس دنیا میں دے دیا اور نہ جانے وہاں کیا کچھ دیگا۔ وہ نیک بخت بولی۔ یا سیّدی اور تو میں کچھ نہیں جانتی ہوں صرف دو باتیں جانتی ہوں۔ پہلی تو یہ کہ اس نے دو یتیم بچوں کی پرورش کا ذمہ اپنے سر لے رکھا تھا اور اُن کی خدمت ایسی کیا کرتا تھا جیسے ایک نوکر اپنے آقا کی کرتا ہے۔ اپنے بچوں سے اتنی محبّت نہیں تھی جتنی محبّت اور خاطر داری وہ ان کی کیا کرتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ وہ سارا دن اور آدھی رات تک خراب کام کیا کرتا تھا لیکن بقیہ آدھی رات سجدے میں گزار دیا کرتا تھا۔ ایسے گڑگڑا کر اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگتا کہ جانماز تک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات تو مجھ پر بھی رقّت طاری ہو جاتی تھی۔ بزرگ یہ سنکر بولے بے شک جو یتیموں کی پرورش کرتا ہے اپنے رب کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا ہے تو اللہ رب العزت نہ صرف اُسے معاف کر دیتا ہے بلکہ کالو جیسا بلند مرتبہ بھی عنایت فرماتا ہے۔

بقیہ "اللہ کرے"

نصرت باجی، فرح باجی جلدی آئیں۔

فرحت! فرحت! کیا ہوا۔ فرحت کیوں چیخ رہی ہو؟

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، میرے پاس امی، شہناز اور بھائی کھڑے تھے اور میری گود میں انگلش کی کتاب رکھی تھی جسے میں پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی۔

اوہ! تو یہ خواب تھا۔ کیا میں خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے ماتھے سے پسینہ پوچھا۔ اور کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

جب میں نے آکا بھائی، آپی، اپی کو یہ خواب سنایا تو وہ بھی خوب ہنسے۔ آپی بولیں، ایسا خواب دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ کرے میں سچ مچ پروفیسر بن جاؤں۔ اس وقت میں 9th کلاس میں ہوں۔ سب مجھے مذاق میں پروفیسر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مجھے سب کی یہ چھیڑ چھاڑ بہت اچھی لگتی ہے۔

۱۱۔ علم امیری زینت اور غریب کی دولت ہے۔ (اسمٰعیل میرٹھی)

۱۲۔ علم کے بغیر عبادت فضول ہے اور عقل کے بغیر علم دردِ سر ہے۔
(حضرت داتا گنج بخش)

۱۳۔ تعلیم کے ساتھ عمل نہ ہو اور دولت کے ساتھ سخاوت نہ ہو تو دونوں بیکار ہیں۔ (احمد رضا خاں بریلوی)

۱۴۔ جو شخص علم رکھے لیکن اُس پر عمل نہ کرے وہ ایسا مریض ہے جس کے پاس دوا ہو مگر علاج نہ کرے۔ (اقلیدس)

۱۵۔ افلاطون سے کسی نے سوال کیا کہ تو نے اتنا علم کس طرح حاصل کیا؟

افلاطون نے جواب دیا۔ "رات کو جب لوگ شراب نوشی میں مصروف ہوتے تھے میں روغنِ زیتون کے ساتھ اپنا خون بھی جلاتا تھا"

۱۶۔ علم سکون کا باعث ہے جب کہ دولت سکون کو

اقبال احمد
(اسپورٹس سکریٹری)

معاشرہ میں کھیلوں کا مقام

کسی بھی ملک کی ترقی میں صحت مند معاشرہ بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ صحت مند معاشرے کے ماخذ کیا ہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جہالت کے اندھیرے دُور کیئے بغیر ایسے معاشرے کی تکمیل ناممکن ہے جو ہمیں ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل کر دے۔ اِس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حُبِّ وطن کے جذبے سے سرشار ہو کر ہمیں ملک سے جہالت کے اندھیروں کو دُور کرنا ہوگا۔ اور جمعیت حکیمان دہلی کے ایک رکن ہونے ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اس کی ابتداء ہم اپنی برادری سے کریں۔

جہالت کے اندھیرے دُور کرنے سے مُراد ان تمام حقائق پر سے پَردہ اٹھانا ہے جو ایک صحت مند معاشرے کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں۔ جہاں ایک طرف ہماری ذمہ داری ناخواندگی کی شرح کو کم کرنا ہے وہاں دوسری طرف ہمیں یہ بات بھی سمجھانا ہوگی کہ صحت مند معاشرے کے لئے صحت مند اور تندرست جسم کے مالک افراد کی تعداد میں اضافہ بھی ضروری ہے۔

اِس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ ہر صحت مند جسم ایک صحت مند دماغ کا مالک بھی ہوتا ہے اور اس سے اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ جہاں ایک طرف دماغی ورزش ضروری ہے وہاں دوسری طرف جسمانی ورزش کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور جب کبھی جسمانی ورزش کی بات ہوگی تو ہمارے دل میں کھیلوں کا خیال آنا ایک فطری امر ہے۔ کیونکہ کوئی بھی ورزش کسی نہ کسی کھیل کے نام سے منسوب ہے۔ باڈی بلڈنگ، رسیلنگ، ویٹ لفٹنگ، جوگنگ (JOGGING) ریس، کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس وغیرہ کونسا کھیل ہے جو کہ ورزش کے لفظ سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکے؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔

اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ایک اچھے اسپورٹسمین بن کر اپنے گھر اپنی برادری، اپنے ملک اور خصوصاً عالمِ اسلام کو ایک ایسی شخصیّت قرار دے سکتے ہیں جو صحت مند معاشرے کی بنیاد فراہم کرنے میں معاون ثابت ہو۔ اس کا فائدہ جہاں اجتماعی طور پر ملک و قوم کے دوسرے افراد کو ہوگا وہاں انفرادی طور پر آپ کی اپنی ذات آپ کے احسانوں کا بدلہ نہ چکا سکے گی۔

باقی صفحہ ۷۹ پر

محمد اعظم ذکائی

محمد اعظم ذکائی صاحب کا تعلق ہماری برادری جمعیت حکیمان دہلی سے ہے۔ محمد مبین ذکائی صاحب (مرحوم) کے صاحبزادے اور محمد اکرام (مرحوم) کے داماد ہیں۔ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ اپنی والدہ کے ساتھ فیڈرل بی ایریا گلبرگ میں قیام پذیر ہیں۔

محمد اعظم کا شمار ہماری برادری کے چند نوجوان قومی کھلاڑیوں میں ہوتا ہے۔ آپ باسکٹ بال کے بین الاقوامی معیار کے کھلاڑی ہیں۔ آجکل پاکستان باسکٹ بال ٹیم کے کھلاڑی اور حبیب بینک ٹیم کی طرف سے کھیل رہے ہیں۔ اعظم کے بڑے بھائی تسلیم الدین بابر (مرحوم) بھی باسکٹ بال کے بہترین کھلاڑی تھے۔ پاکستان کی قومی ٹیم کی طرف سے کھیل چکے ہیں جو کہ اسکوٹر کے ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوئے۔

محمد اعظم نے سندھ مدرسہ سے میٹرک، ایس ایم کالج سے انٹر کیا۔ اور اسی کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آجکل حبیب بینک میں آفیسر ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایم اے کے امتحان کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔

محمد اعظم نے اپنے کیریئر کا آغاز اسکول کے زمانے سے کیا۔ ۶۸ء-۷۰ء میں اسکول ٹیم کی طرف سے باسکٹ بال کھیلتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں بحیثیت کپتان کراچی بورڈ کی ٹیم کی طرف سے کھیلے اور وننگ ٹرافی جیتی۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں انہوں

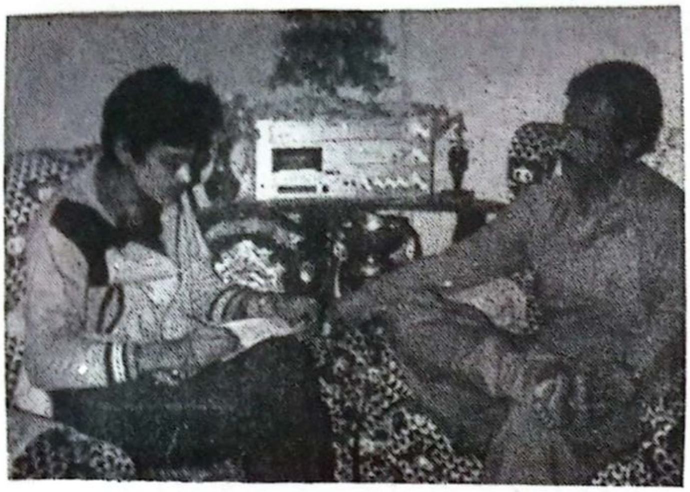

انٹرویو الطاف اقبال

نے نیشنل گیمز میں شرکت کی اور نیشنل چیمپئن شپ میں سب سے زیادہ پوائنٹ حاصل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ کا سلیکشن پاکستان کی قومی باسکٹ بال ٹیم میں ہو گیا۔ اس وقت سے آج تک پاکستان قومی ٹیم میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حبیب بینک کی باسکٹ بال ٹیم کی قیادت بھی کر رہے ہیں۔

انٹرویو کے لئے جب ہم اس مایہ ناز کھلاڑی کے پاس پہنچے تو گندمی رنگت والا خوبرو نوجوان اپنے چھوٹے بیٹے کو لئے ہوئے ہمارے استقبال کے لئے آیا۔ کچھ وقت ہم نے اُن کے ساتھ گزارا اور چند سوالات کئے۔

ہماری اور محمد اعظم کی گفتگو:-

الطاف:- اعظم آپ باسکٹ بال کب سے کھیل رہے ہیں؟

اعظم:- میں نے باسکٹ بال اسکول کے زمانے سے شروع کی۔ کالج میں بھی کھیلتا رہا اور ۱۹۷۲ء میں پاکستان کی قومی ٹیم کے ٹرائل ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس میں منتخب ہو گیا۔

الطاف:- اعظم آپ پاکستان کی ٹیم کے کپتان بھی رہے۔ پھر

آپ اس عہدے سے سبکدوش کیسے ہوگئے؟

اعظم:- میں ۷۶ء میں کیپٹن منتخب ہوا اور ایک سال تک رہا۔

بات دراصل یہ ہے کہ باسکٹ بال میں کیپٹن صرف ایک سال تک ہی رہتا ہے۔ یعنی ایک ٹور تک اس کے بعد اس کیپٹن کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے۔ کرکٹ، ہاکی کی طرح نہیں ہوتا۔

الطاف:- بحیثیت کپتان آپ کونسا ٹورنامنٹ کھیلے؟

اعظم:- ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء کے لئے جب میں کیپٹن منتخب ہوا تو اس وقت لاہور میں ایشین ممالک کے درمیان قائداعظم سنچری ٹورنامنٹ ہونے والا تھا جس میں ہم لوگوں نے بہت اچھا کھیل پیش کیا اور سلور میڈل حاصل کیا۔

الطاف:- آپ نے بحیثیت کھلاڑی اور کیپٹن کن کن ممالک کا دورہ کیا؟

اعظم:- میں ۱۹۷۲ء سے پاکستان کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ اور میں نے ان ۱۲ سالوں میں چین، جاپان، ہانگ کانگ، کوریا، ایران، ترکی، سری لنکا، فلپائن، تھائی لینڈ، ملائیشیا اور بھارت وغیرہ کا دورہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر ممالک کا بھی دورہ کیا ہے۔

الطاف:- ہاکی اور کرکٹ کی طرح باسکٹ بال میں بھی سیاست کا عمل دخل ہے؟

اعظم:- ہمارے یہاں سیاست کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہم اب تک ان میں کوئی خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کر سکے ہیں۔

الطاف:- آپ باسکٹ بال کے لئے صرف حبیب بینک سے کیوں منسلک ہوئے؟

اعظم:- دراصل کھلاڑی کی زندگی کے لئے کھیل کے علاوہ کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ حبیب بینک کھلاڑیوں کو جو مراعات دیتی ہے وہ دوسری کمپنیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ اس لئے میں نے حبیب بینک کو ترجیح دی۔

الطاف:- ہماری قومی ٹیم کا معیار بہتر سے بہتر بنانے کے لئے آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

اعظم:- کسی بھی کھیل کو معیاری اور مقبول بنانے کے لئے اُسے محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مالی امداد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میں ارباب اختیار سے گزارش کروں گا کہ ہمیں کھیلنے کے لئے کورٹ جو کہ لکڑی کے بنے ہوئے ہونے چاہئیں بنا کر دیں۔ ہمارے ملک میں سیمنٹیڈ کورٹ ہیں جس کی وجہ سے جب ہم بین الاقوامی میچ کھیلنے جاتے ہیں تو ہماری وہ پرفارمنس نہیں ہوتی جو کہ ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ باسکٹ کے ساتھ لگا ہوا بورڈ لکڑی کے بجائے ٹرانسپیرنٹ ہونا چاہئے۔

الطاف:- ہماری قومی ٹیم کے معیار اور باہر کی ٹیم کے معیار میں کیا فرق ہے؟

اعظم:- ہماری قومی ٹیم کے معیار اور باہر کی ٹیم کے معیار میں بہت فرق ہے۔ ہمارے ملک میں گیم ذرا آہ

Scanned with CamScanner

ہوتا ہے، جب کہ اُن کے یہاں گیم تیز ہوتا ہے۔ ہماری ٹیم کی کارکردگی کورٹ بدلنے سے بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ ہمارے یہاں سیمنٹ کورٹ ہوتے ہیں اور بین الاقوامی میچ لکڑی کے کورٹ پر ہوتے ہیں۔

الطاف:۔ آپ کا پسندیدہ کھلاڑی کون ہے۔ اور دنیا میں پسندیدہ ٹیم کونسی ہے۔

اعظم:۔ دنیا میں یوں تو بہت سارے کھلاڑی اپنے اپنے کھیل کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن میرا پسندیدہ کھلاڑی کریم عبدالجبار ہیں جو امریکہ کی قومی ٹیم کی طرف سے کھیلتے ہیں۔ ایشین ممالک میں میری پسندیدہ ٹیم ساؤتھ کوریا کی ہے۔ جب کہ دنیا میں امریکہ کی ٹیم مجھے اپنے انفرادی کھیل کی وجہ سے بہت پسند ہے۔

الطاف:۔ قوم کے نوجوانوں کے نام آپ کوئی پیغام دینا چاہیں۔

اعظم:۔ میں فرینڈز سرکل کے توسط سے قوم کے نوجوانوں کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل بھی جاری رکھیں۔ کیونکہ اچھی تعلیم کے بعد ہم اچھے شہری، پاکستانی اور مسلمان ثابت ہو سکتے ہیں۔

بقیہ "امتحان"

بورڈ سب سے اچھے تعلقات استوار رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ دراصل امداد باہمی کا مطلب یہیں آکر سمجھ میں آتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنا تو ویسے بھی اچھی بات ہوتی ہے۔ یوں بھی معاشرے میں ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر ایک دوسرے سے تعاون کر لیا جائے تو بہت سارے مسائل اور مشکلات حل کی جا سکتی ہیں۔ آجکل تمام مسائل ویسے بھی "دے دلا کر" کی بنیاد پر حل کیے جاتے ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں کہ کاش خدا فرشتوں کی جگہ انسانوں ہی کو اعمال درج کرنے پر مامور کر دیتا تو ہم انسانوں کا بھلا ہو جاتا۔ نیکی کے انسان کو پانچ دس روپے فی نیکی دے کر حساب سے حسب ضرورت نیکیاں جمع کر لیتے اور پھر بدی کے انسان کو کچھ دے دلا کر گناہوں کی فائل سرے سے غائب کروا دیتے۔ اسی لیے مرزا غالب بھی مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ بقول اُن کے۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

بقیہ "کھیلوں کا مقام"

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفان بھی ہے

آئیے آج سے روزمرہ کے معمولات میں کسی کھیل کو بطور ورزش شامل کر لیں اور کوشش کریں کہ ایسے کھیل اپنائیں جو ہماری نشوونما میں معاون ثابت ہوں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

Scanned with CamScanner

شائستہ ایوب

جدید ڈکشنری کے چند اوراق

محبّت ۔ خدا کے بلند تخیل کا نام ہے۔ جو محبّت سے واقف نہیں وہ خدا سے واقف نہیں کیونکہ خدا محبت ہے۔

تارا ۔ مایوسی کی حدِ نگاہ۔

تاج محل ۔ ایک منجمد اشک۔

دِل ۔ کائنات کا دوسرا نام۔

زندگی ۔ کسی کے شوق کی تکمیل

مسکراھٹ :۔ یاس کی تاریکیوں میں امید کی کرن۔

دوست ۔ ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے لیکن خود سچّا دوست بننے کی کوشش نہیں کرتا۔

بدگمانی ۔ بدگمانی جہاں پر جنم لیتی ہے اعتماد اُس جگہ پر نہیں رہتا ۔ بدگمانی ایسا زہر ہے جو ہرے بھرے درخت کو جلا کر راکھ کی مانند کر دیتا ہے۔

سکون ۔ اگر تم سکون سے رہنا چاہتے ہو تو لوگوں سے وعدے کم کرو۔

اعتماد ۔ اندھا اعتماد سوئے ناگ کی طرح ہے جو کسی وقت بھی جاگ کر چپکے سے ڈس لیتا ہے۔

غصّہ ۔ غصّہ ایک ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بجھا دیتی ہے۔

خوشی ۔ زندگی کی خوشی ہمارے خیالوں پر منحصر ہے۔

اِنسان ۔ بڑھاپے میں انسان زیادہ عقلمند ہو جاتا ہے۔ لبظاہر بیوقوف نظر آتا ہے۔

مُفکر ۔ ایک مفکّر کو کلف لگے ہوئے کالر کی طرح اکڑا ہوا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس میں بننے بنانے کی صلاحیت ہونی چاہیئے۔

سَچ ۔ سچ ایک ایسی گولی ہے جو چکھنے میں کڑوی لیکن اثر میں میٹھی ہے۔

دَولت ۔ دولت بہترین خادم لیکن بدترین دشمن ہے۔

کردار ۔ کردار ایک ایسا ہیرا ہے جو ہر پتھر کو کاٹ سکتا ہے۔ انسان خود عظیم نہیں ہوتا بلکہ اس کا کردار اُسے عظیم بناتا ہے۔ ہر انسان کی معمولی اور چھوٹی چھوٹی حرکات سے اس کے کردار کا بہترین اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

وَقت ۔ ہمارا سب سے بڑا دوست اور ہمارا سب سے بڑا دشمن، ہمارا سب سے نازک شیشہ اور ہمارا سب سے بھاری پتھر وقت ہے۔

عِلم ۔ ناشائستہ لوگوں کو علم عطا کر کے اُن پر ستم مت کرو اور شائستہ لوگوں کو علم سے محروم کر کے اُن پر ظلم مت کرو۔

Scanned with CamScanner

از:- ادیبہ تحسین - راولپنڈی

مزاحیہ نظم

دوبئی سے واپسی

ملا ہے جب سے خط پیارے کہ چھٹی پہ آ رہے ہو تم
میرے خوابوں پہ صبح و شام چھا رہے ہو تم

جب آؤگے وہ دن میرے لئے عید کا ہوگا
عجب منظر میرے دلبر تمہاری دید کا ہوگا

تب وزن سے دو ایک بیگ پیارے ہاتھ میں ہونگے۔
اٹیچی کیس دس بارہ یقیناً ساتھ بھی ہوں گے

کلر ٹی وی تو میں ڈبے ہی سے پہچان جاؤں گی
فرج بھی ساتھ لے آؤ تو تمہیں بھی مان جاؤں گی

میں ایئرپورٹ پہ آؤں گی اپنی جان کو لینے
سوزوکی وین بھی لاؤں گی سامان کو لینے

دل میرا گنگنائے گا یہاں پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے
جاپانی ساڑھیاں میرے لئے کیا خوب لایا ہے

مجھے کچھ نہیں لینا مگر دنیا بھی تو رکھنی ہے
پوزیشن کچھ آخر اس بھری دنیا میں رکھنی ہے

مجھے کچھ چاہیئے نیا کپڑا کرتے بنانے کو
کوئی چالیس گز کے ٹی جی ہو دینے دلانے کو

دو درجن جانگیے، رومال بنیان کافی ہیں
دوپٹوں کے لئے تو صرف دو تھان ہی کافی ہیں

وہاں سے انگلش صابن کوئی دس بیس لے آنا
گرم کوٹوں کے اب کے صرف چھ بیس لے آنا

میرے بھیا کی اب راڈو واچ تم بھول نہ جانا
میری تو خیر ہے باجی کی ساڑھی بھول نہ جانا

یہ ننھی بیٹی ہماری ہر دم تم کو یاد کرتی ہے
منگا دو بولتی گڑیا یہی فریاد کرتی ہے

یہ کیا لکھا ہے کہ ایگریمنٹ بس آخری ہوگا
تمہارا سال دوبئی میں فقط یہ آخری ہوگا

خدا کے واسطے پیارے تم ابھی ایسا نہ سوچو
کروگے یہاں کیا آخر ذرا میرے سنگ سوچو

ابھی اسلام آباد میں ہم کو ایک نیا بنگلہ بنانا ہے
عزیزوں کو امارت کا ابھی تو جلوہ دکھانا ہے

ابھی تو سیر کرنے کو نئی ٹیوٹا کار بھی چاہیئے
اور گھر میں دیکھنے کو اک وی سی آر بھی چاہیئے

حیرت انگیز، دلچسپ مگر عجیب

اُبلتی ہوئی جھیل :-

جزائر غرب الہند کے ایک جزیرے میں جس کا نام ڈومینکا ہے ایک جھیل واقع ہے جس کا پانی ہر وقت ۱۰۰ درجہ سینٹی گریڈ پر اُبلتا رہتا ہے۔ یہ جھیل ایک پہاڑ کی ڈھال پر واقع ہے اور بہت گہری ہے۔ اس کے پانی میں گندھک اور بعض دیگر مرکبات کی بہتات ہے۔

۴۰ سال سے نہ بیٹھنے والا شخص :-

یوگوسلاویہ میں ایک شخص ہے جو چالیس سال سے بیٹھا نہیں ہے۔ یہ شخص ایک لڑائی میں زخمی ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں اُس کی ریڑھ کی ہڈی بہت سخت ہو گئی ہے اس وقت سے یہ شخص بیٹھا نہیں ہے اور دیوار کے سہارے سے سوتا ہے۔

تین حیرت انگیز چشمے :-

سری لنکا میں ایک مقام ایسا ہے جہاں پر ایک ہی جگہ سے تین مختلف قسم کے پانی کے چشمے نکلتے ہیں۔ اُن میں سے ایک چشمے کا پانی بہت سرد ہوتا ہے، دوسرے چشمے کا پانی نیم گرم جب کہ تیسرے چشمے کا پانی سخت گرم ہوتا ہے۔

پانی برسانے والا درخت

انڈونیشیا کے قریب سماٹرا نامی جزیرے میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جو پانی برساتا ہے۔ یہاں کے باشندے اُسے بارش والا درخت کہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت جب سورج کی شعاعیں زمین پر بالکل سیدھی پڑتی ہیں اس درخت اپنے اندر بھاپ جذب کر لیتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب سورج کی تپش کم ہو جاتی ہے تو یہ بھاپ جمع ہو کر پانی کی شکل میں برسنے لگتی ہے۔ اس میں سے پانی اتنی تیزی سے برستا ہے کہ تھوڑی دیر میں ایک گھڑا بڑی آسانی سے بھر جاتا ہے۔

زہریلا مینڈک

آپ مانیں یا نہ مانیں برازیل میں ایسی قسم کے مینڈک پائے جاتے ہیں جن کے سر پر چھوٹے چھوٹے سینگ ہوتے ہیں۔ یہ مینڈک اس قدر زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر کسی جاندار کو کاٹ لیں تو وہ مر جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

فرینڈز سرکل کا سعودی عرب میں قیامِ عمل

حمد و ثنا ذاتِ لم یزل کے لئے، درود و سلام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اما بعد۔

بروز جمعہ ۲۴ محرم ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی شام کو وہ خواتین وحضرات جن کا تعلق جمعیت حکیمانِ دہلی پاکستان سے ہے اور سعودی عرب میں قیام پذیر ہیں جناب محمد دین شباب صاحب کے دولت خانے پر جمع ہوئے اور شباب صاحب کی تجویز پر کہ "ایک مستقل بزم کا قیام جدہ میں بھی ہونا چاہیئے" تمام افراد نے اتفاق کیا اور گرمجوشی کا اظہار کیا۔ پھر اس بزم کا مستقل قیام عمل میں آیا جس کا نام "فرینڈز سرکل جدہ برائے سعودی عرب" قرار پایا۔ سرکل کا مقصد بلاکسی تفریق کے ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہونا آپس میں محبت اخوت بڑھانا اور بے لوث اجتماعی تعاون کرنا ہے۔

سرکل کو فعال رکھنے اور سرگرم بنانے کے لئے کچھ ذمہ داریاں کے ساتھ چند افراد کو نامزد کیا گیا ہے :-

صدر :- محمد عاشقین صاحب

جنرل سکریٹری :- جناب البصار الرحمٰن صاحب

فنانس سکریٹری :- جناب مسلم احمد قریشی صاحب

رابطہ سکریٹری :- جناب محمد دین شباب صاحب

ہم اربابِ حل و عقد افراد جمعیت حکیمانِ دہلی پاکستان اور فرینڈز سرکل سے تعاون کی تمنا رکھتے ہیں اور تعاون کرنے کا عزم کرتے ہیں۔

رابطہ سکریٹری فرینڈز سرکل۔ جدہ سعودی عرب

محمد دین شباب

بقیہ "تحریر سے شخصیت کی پہچان"

متاثر کرتا ہے اور دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے علمی رجحان بھی اس میں پایا جاتا ہے۔

(۱۱) اگر تحریر سرسری کم دبا کر لکھی جائے تو ایسا شخص سست اور آرام پسند ہوگا۔ اعلیٰ شخصیت کا مالک ہوگا اور اس میں دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

یہ تحریر شناسی کے کچھ اصول تھے۔ آپ تحریر کے ذریعہ اچھے دوست، شراکت دار اور شادی وغیرہ کے معاملے کے سلسلے اچھے لوگ منتخب کر سکتے ہیں اس لئے تحریر شناسی کی سائنس سے فائدہ اٹھایئے۔

Scanned with CamScanner

غزالہ ناہید - بی، ایس، سی (آنرز)

غزل

شاید اس کو میری گہرائی کا اندازہ نہیں
تب ہی کہتا ہے کہ میں حدِ نظر کہہ دوں اُسے

خود فریبی کی میں قائل ہوں مگر اتنی نہیں
دھوپ میں شیشہ رکھوں اور سیم و زر کہہ دوں اُسے

زیست کی تنہائیوں سے آشنا ہوں اس قدر
جو نیا چہرہ ملے حُسنِ نظر کہہ دوں اُسے

ایک پت جھڑ ہی کی رات مجھ میں ٹھہر کر رہ گئی
دل کی ہریالی کو ہے اس کی نظر کہہ دوں اُسے

شہر کے رستے بھی اب تو مشورہ دینے لگے
ایک مکاں تعمیر کر کے اپنا گھر کہہ دوں اُسے

جو ہے رسوائی کی منزل پر بھی میرے ساتھ ساتھ
وہ ہے میرا راز داں "نامعتبر" کہہ دوں اُسے

اجنبی رستے کی جانب آشنا سا ایک شخص
ایک پل ٹھہرے تو کچھ زادِ سفر دے دوں اُسے

اگر پوچھے غزل مجھ سے اُجالے کا پتہ
آنکھ میں چھپے ہوئے سارے غم کہہ دوں اُسے

Scanned with CamScanner

اطہر محمود
سکریٹری جنرل
قوم حکیمان (دہلوی)، راولپنڈی، اسلام آباد، پشاور

"پنڈی ڈائری"

قومِ حکیمان کی تاریخ ایک کھلی کتاب ہے جس کے احباب دہلی، کراچی، حیدرآباد، لاہور اور راولپنڈی اسلام آباد کے علاوہ سارے پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِس وقت راولپنڈی اسلام آباد، کراچی کے بعد قوم حکیمان کا دوسرا بڑا مسکن ہے۔ جب ۱۹۴۷ء میں چند گھرانے راولپنڈی میں سکونت پذیر ہوئے تو "اربابِ ارتقاء" کے نام سے برادری کی تنظیم کا سنگِ بنیاد عیدالفطر کے موقع پر منعقد کی گئی عید ملن پارٹی سے رکھا گیا۔ جناب حافظ محمد اعجاز (مرحوم)، جناب حافظ رضی الدین جیلانی صاحب، جناب حکیم اکرام الدین لقائی (مرحوم)، جناب ڈاکٹر رحمت اللہ (مرحوم)، جناب حاجی محمد امین (مرحوم)، خیرپور والے، جناب حکیم امین الدین (مرحوم)، جناب شیخ یقین الدین (مرحوم)، اور جناب محمد صالحین شیرازی صاحب نے اپنی محنت لگن اور جذبۂ ایثار سے اُسے کامیاب بنایا۔ عید اور بقرعید کے مواقع پر اجتماعات کے علاوہ طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے مذاکرات زور و شور سے جاری رہے۔ نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں میں انعامات تقسیم کرکے اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

۱۹۵۲ء میں اس نام کو قومِ حکیمان (دہلوی) کے نام سے بدل دیا گیا جس کے دستور کی منظوری ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء کے جلسۂ عام میں لی گئی۔ وقت کے بدلتے ہوئے حالات اور جوں جوں بزرگ رہنما اللہ کو پیارے ہوتے گئے کچھ سرگرم رکن اس شہر کو خیرباد کہہ گئے جس کی بناء پر قومی مجلس میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ ایک تکلیف دہ تبدیلی رفتہ رفتہ اس کی سرگرمیاں ماند پڑنے لگیں۔ اس کی ترقی کی رفتار سست پڑنے لگی۔ اس کے اجتماعات میں وہ روح نہ رہی۔ اس کی تقاریب میں وہ

رنگ نہ رہا۔ اور ایک وہ وقت آیا کہ قومی پلیٹ فارم پر مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد برادری کے نوجوانوں نے اسے شدّت سے محسوس کیا۔ آپس کی ہم آہنگی کے اس خلاء کو دُور کرنے کے لئے نوجوانوں' جن میں جناب غیاث الدین صاحب' جناب محمد وسیم صاحب' جناب محمد ارشد شیرازی صاحب' جناب محمد طارق صاحب' جناب ندیم اقبال صاحب' جناب مسعود اقبال صاحب' جناب محمد طاہر صاحب' اور جناب اطہر محمود صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں' نے آپس میں اتحاد' محبّت اور بھائی چارگی کی یکانگت پیدا کرتے ہوئے ۵ ستمبر ۱۹۷۸ء کو عیدالفطر کے موقع پر ایک نئی تنظیم کی بنیاد رکھی جس کا نام "فرینڈز سرکل" راولپنڈی اسلام آباد تجویز کیا گیا۔

بعض واقعات قوموں اور افراد کی زندگی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی قوم میں کبھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہو کر اس قوم کی رُت ہی پلٹ دیتا ہے۔ یا اس قوم کو ایسے دھارے پر ڈال دیتا ہے جس سے اس قوم کی فلاح و بہبود اور ترقی کے بہت سے پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔ ہماری برادری کی زندگی میں فرینڈز سرکل کا قیام بھی ایک ایسا واقعہ ہے۔ جب یہ ادارہ وجود میں آیا تو اس کے ممبران میں ایک ولولہ اور ایک ایسی امنگ تھی کہ اس ادارے سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرنا بے جا نہ تھا۔ اور اور پھر ان امیدوں کو یوں اور تقویت پہنچتی تھی کہ اس کے بیشتر ممبران اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھے۔ اپنی اعلیٰ کارکردگی کی بناء پر بہت جلد فرینڈز سرکل نے برادری میں مقبولیت حاصل کرلی اور برادری کا ہر فرد اِس ادارے پر فخر کرنے لگا۔ ابتداء ہی سے اس کا ہر ممبر پوری طرح سے اس ادارے کے مقصد کو پورا کرنے میں مصروف رہا۔ جس کی بناء پر قومی پلیٹ فارم پر مختلف مواقع میں نہایت اہم اور کامیاب اجتماعیت منعقد ہوئے۔ اِس ادارے نے یہیں پر اکتفا نہ کیا بلکہ قومی مجلس جو کہ بے جان ہو چکی تھی۔ اس میں نئی روح ڈالی اور اپنی محنت اور کاوش سے اسے متحرک بنایا۔

چونکہ راولپنڈی اسلام آباد میں قوم حکیمان کے افراد کی تعداد محدود تھی جس کی بناء بیک وقت دونوں تنظیموں "قومی مجلس" اور "فرینڈز سرکل" کو ایک ساتھ چلانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ لہٰذا برادری کے افراد نے باہمی افہام و تفہیم سے فیصلہ کیا کہ "قومی مجلس" اور "فرینڈز سرکل" کو آپس میں ضم کر دیا جائے اور ایک مشترکہ تنظیم عمل میں لائی جائے۔ لہٰذا ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ کے عام جلسہ میں "قوم حکیمان (دہلوی)" راولپنڈی، اسلام آباد' پشاور کے نام سے نئی تنظیم عمل میں لائی گئی جس میں پشاور میں مقیم برادری کے افراد کو بھی شامل کیا گیا۔

بزرگ رہنماؤں کے تجربے اور نوجوان نسل کے جوش اور ولولہ نے اِس تنظیم کو ابتداء ہی سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی سے ہمکنار کیا۔ ابتداء میں درج ذیل اراکین بذریعہ انتخاب مجلسِ عاملہ میں منتخب ہوئے:-

۱۔ جناب شیخ تجمل حسین صدیقی (مرحوم) صدر

۲۔ جناب شیخ انعام الدین صاحب۔ نائب صدر۔

۳۔ جناب شیخ محمد طاہر۔ جنرل سکریٹری

۴۔ جناب ندیم اقبال صاحب۔ جوائنٹ سکریٹری

۵۔ جناب سعید اختر صاحب۔ خزانچی

مشاورتی کونسل کے اراکین

۱۔ جناب حافظ رضی الدین صاحب جیلانی۔

۲۔ جناب محمد صالحین شیرازی صاحب

۳۔ جناب حکیم حمید الدین بقائی صاحب

۴۔ جناب حسین الدین عاقل صاحب

۵۔ جناب محمد نصیر بقائی صاحب

۶۔ جناب ڈاکٹر خالد محمود صاحب۔

۸۳-۱۹۸۲ء کے لئے بھی معمولی رد و بدل کے ساتھ اسی انتظامیہ کو منتخب کیا گیا۔ جنرل سکریٹری محمد طاہر کی جگہ جوائنٹ سکریٹری جناب ندیم اقبال کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ جبکہ جناب شکیل احمد صاحب کو جوائنٹ سکریٹری منتخب کیا گیا۔

موجودہ سال کے لئے مجلس کا سالانہ عام انتخاب مورخہ ۱۲ محرم الحرام بروز جمعۃ المبارک بمقام جناب حاجی شیخ تجمل حسین صدیقی (مرحوم) عمل میں آیا جس میں درج ذیل اراکین منتخب ہوئے۔

۱۔ صدر۔ جناب محمد نصیر بقائی صاحب

۲۔ نائب صدر۔ جناب شکیل احمد صاحب

۳۔ جنرل سکریٹری۔ جناب اطہر محمود صاحب

۴۔ جوائنٹ سکریٹری۔ جناب ندیم اقبال صاحب

۵۔ خزانچی۔ جناب سعید اختر صاحب

مشاورتی کونسل کے اراکین:-

۱۔ جناب ملک رؤف احمد صاحب

۲۔ جناب ڈاکٹر سدید الدین ارشد صاحب

۳۔ جناب محمد صالحین شیرازی صاحب

۴۔ جناب حکیم حمید الدین بقائی صاحب

۵۔ جناب حکیم الدین عاقل صاحب

۶۔ جناب آفتاب احمد جیلانی صاحب۔

منتخب انتظامیہ برادری کے افراد کی فلاح و بہبود کے لئے رکھے گئے اقدامات کے عمل کو مزید تیز تر بنانے کے لئے ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب عمل پیرا ہوئی۔ مجلس عاملہ کے ہر رکن نے اپنی محنت کوشش اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دن رات محنت کی جس کے نتیجہ میں بفضل تعالیٰ برادری کے تمام افراد کے کوائف بہ شکل کتابچہ بنام "ڈائریکٹری بمعہ مردم شماری" مرتب کرکے تقسیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ برادری کے اُن افراد کے لئے جو آج کے اس جدید دور میں اپنے رہائشی مسائل سے دوچار ہیں۔ اُن کے مسائل کو حل کرنے کے لئے عید الفطر کے موقع پر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی " زبیڈز کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی" کے نام سے تشکیل دی گئی جس کے درج ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔

۱۔ صدر۔ جناب ملک رؤف احمد صاحب

۲۔ نائب صدر۔ جناب حسین الدین عاقل صاحب

۳۔ جنرل سکریٹری۔ جناب شاہد پرویز صاحب۔

Scanned with CamScanner

۴- خزانچی- جناب محمد عظیم صاحب

مددگار HELPING BODY

۱- جناب شیخ انعام الدین صاحب

۲- جناب سعید اختر صاحب

۳- جناب اطہر محمود صاحب

۴- جناب محمد طاہر صاحب

۵- جناب ندیم اقبال صاحب۔

اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے اراکین نے اپنی محنت اور کاوشوں کی بدولت دن دگنی رات چوگنی ترقی سے ہمکنار کیا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس رجسٹرڈ سوسائٹی (جسے اسلام آباد سے رجسٹرڈ کرایا گیا ہے) کے قیام کو بمشکل تمام چار یا پانچ ماہ کا عرصہ گزرا ہے، اور یہاں برادری کے مقیم محدود افراد کی تعداد کے باوجود اس کے ممبران کی تعداد آج ڈھائی سو کے لگ بھگ پہنچ چکی ہے جس میں تقریباً ۷۵ ممبران کراچی، حیدرآباد اور لاہور کے بھی شامل ہیں۔ اور انشاءاللہ عنقریب سی ڈی اے اسلام آباد کی طرف سے نکالے گئے رہائشی منصوبے کے ذریعہ اس کے ممبران کو پلاٹ بھی ملنے والے ہیں۔

یہ دو بڑے اقدامات جو اس دور کی اہم ضرورت تھے عمل میں لائے جا چکے ہیں۔ اور انشاءاللہ عنقریب ایک بیت المال بھی قائم کیا جا رہا ہے جس کا سب سے اہم مقصد طلباء کی فلاح و بہبود اور ان طلباء کو اعلیٰ تعلیم سے نوازنا ہے جو مالی مجبوری کے تحت اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس کے علاوہ برادری کے افراد خاص طور پر طالب علموں کے ان ڈور (IN DOOR) اور آؤٹ ڈور (OUT DOOR) کھیلوں کے فروغ کے لئے "فرینڈز کلب" اور فارغ الاوقات میں مطالعتی مشاغل کی تکمیل کے لئے "فرینڈز لائبریری" اور مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے "فرینڈز ڈسپنسری" اور شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کے لئے قومی ہال کی تعمیر بھی زیر غور ہے۔ مجھے امید ہے کہ راولپنڈی اسلام آباد میں مقیم برادری کے افراد اپنی روایات اور آپس کے اتحاد و یگانگت اور جذبۂ ایثار کو برقرار رکھتے ہوئے بہت جلد اپنے ان عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ (آمین)

عجیب گنبد:-

اصفہان کی "مسجد شاہ عباس" دنیا کی مشہور مسجدوں میں سے ایک ہے۔ یہ مسجد تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ ۱۶۱۸ء میں شاہ عباس کے زمانے میں اس کی تعمیر ہوئی۔ مگر اس کے ایک گنبد کی تکمیل مسجد بننے کے کوئی تیرہ سال بعد ہوئی۔ یہی گنبد اس مسجد کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گنبد کے نیچے کھڑے ہو کر تالی بجائے تو ایک ہی گونج کے بجائے وقفے وقفے سے کئی تالیوں کے بجنے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ گنبد کی دو تہیں ہیں۔ اندر کی طرف سے گنبد کی اونچائی ۳۴ میٹر ہے جب کہ باہر کی طرف سے ۵۴ میٹر ہے۔

Scanned with CamScanner

اس سال کے بہترین سوشل ورکرز

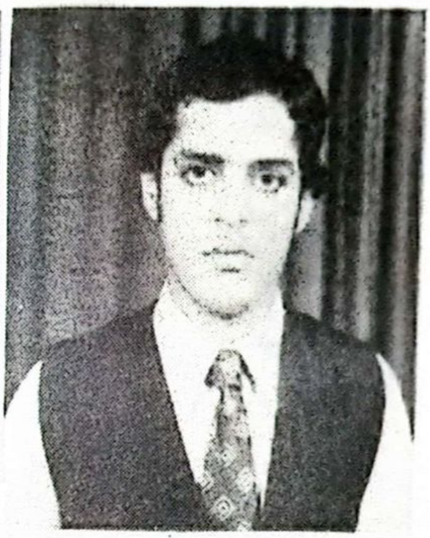

ندیم اعجاز

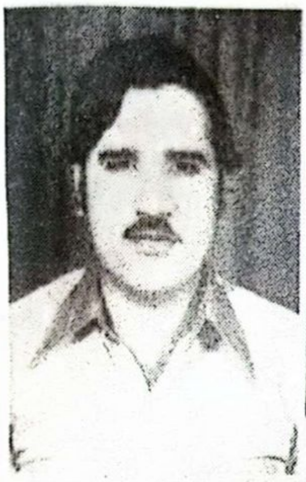

ناظم الدین بقائی

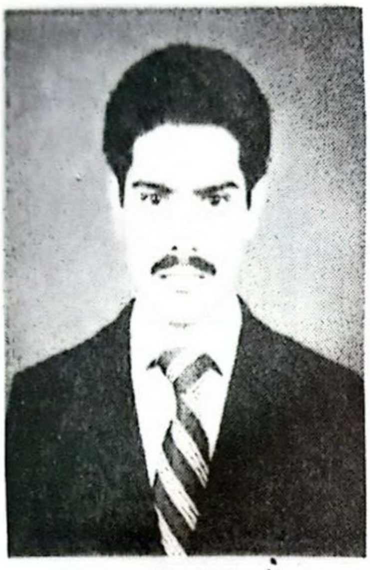

شہزاد پرویز

نیاب الدین

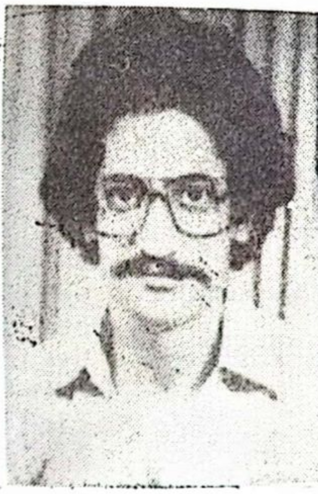

منصور احمد

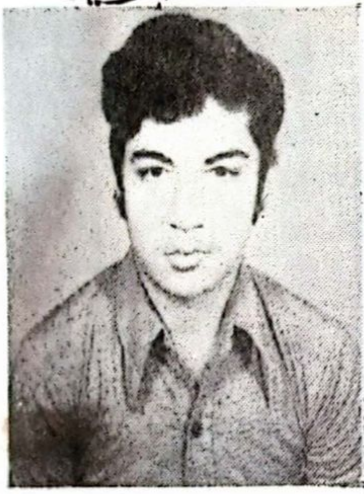

محمد شہاب

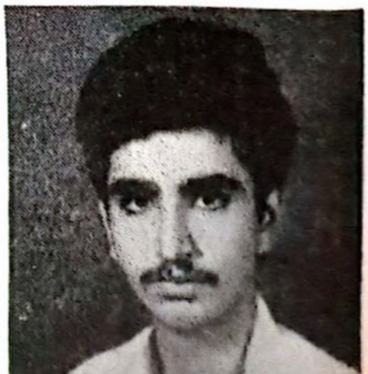

محمد شعیب جیلانی

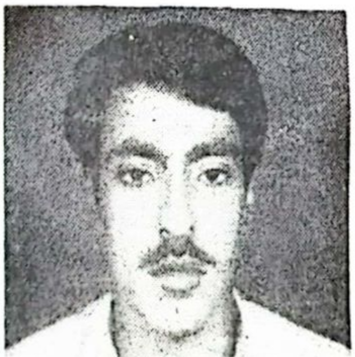

نعیم احمد

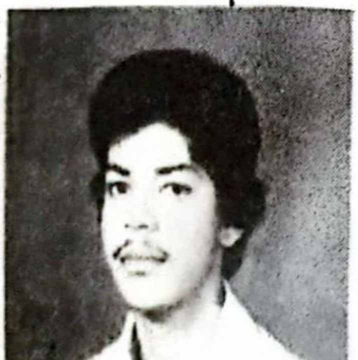

مہتاب الدین

اسپورٹس

کھیلوں کے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے کھلاڑی

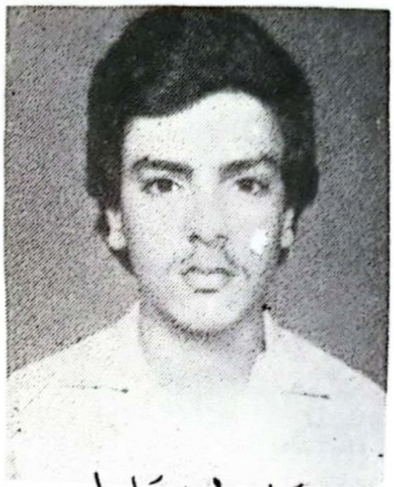

کامران عادل

چیمپئن آف دی ڈے

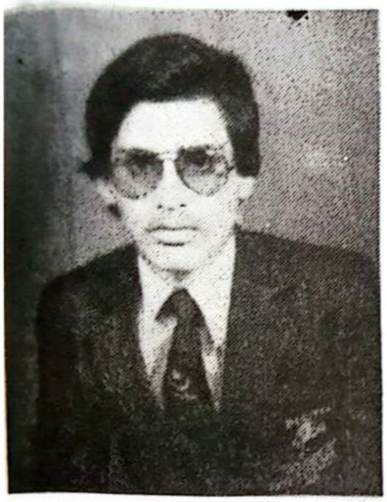

محمد شعیب قادری

ٹیبل ٹینس

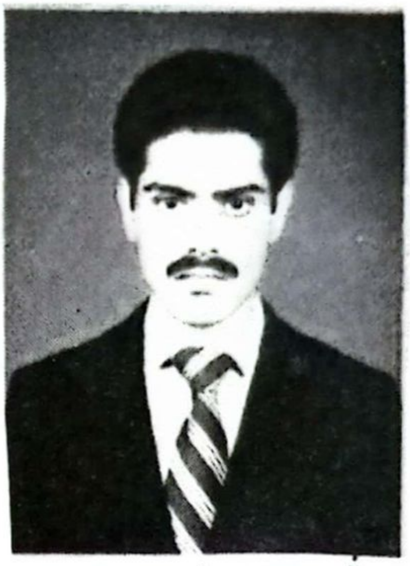

شہزاد پرویز

بیڈمنٹن

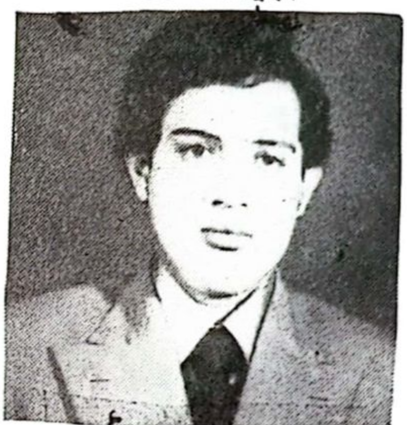

جاوید اقبال بقائی

جیولن تھرو

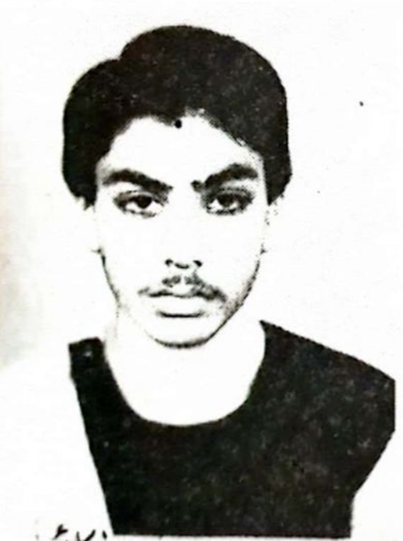

محمد عمران خان زکائی

۱۰۰ میٹر ریس

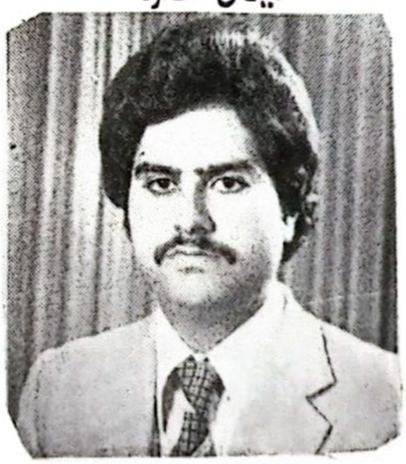

سلیم احمد

شاٹ پٹ

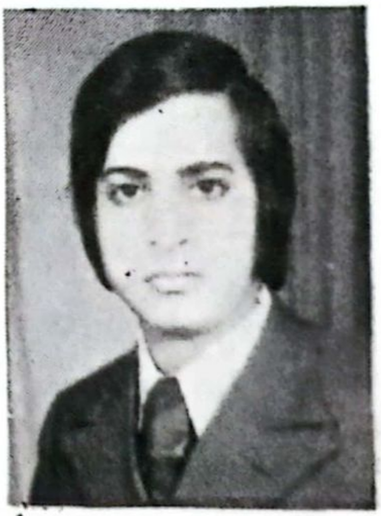

شمیم الدین

Scanned with CamScanner

انعام یافتگان

لٹریری پروگرام میں پہلی پوزیشن

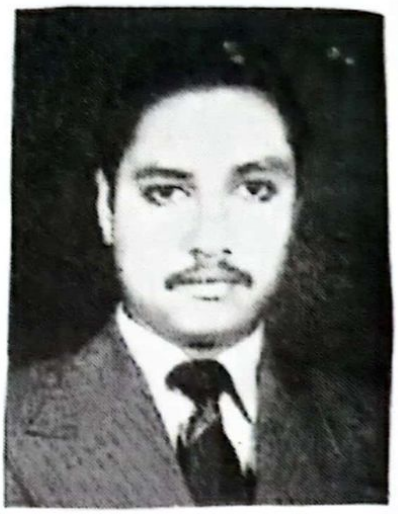

محی الدین
بہترین نعت خواں

نسیم الدین
مقابلہ اشعار

محمد حنیف
مقابلہ معلومات

راجہ اعجاز
مزاحیہ پروگرام

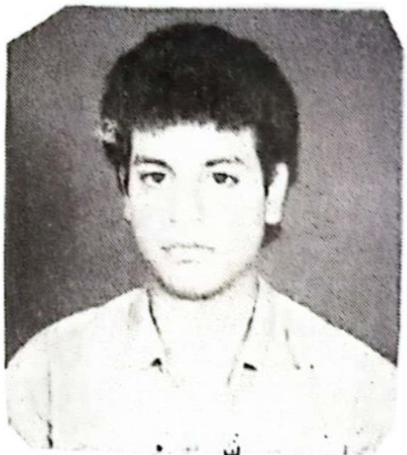

محمد فہیم
گیت و غزل

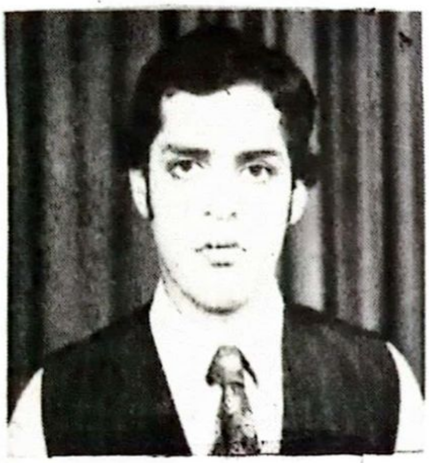

ندیم اعجاز
بہترین مقرر

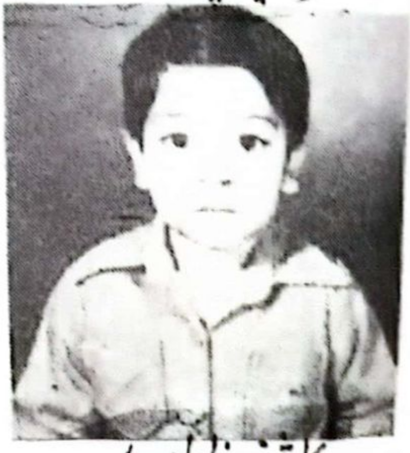

کاشف نایاب
حمد و نعت

شابیہ حفیظ
حمد و نعت

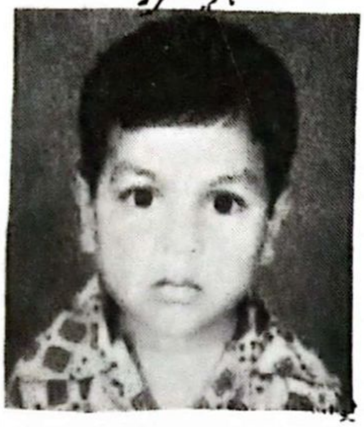

قاری عزیز احمد
حسن قرارت

Scanned with CamScanner

تقریبات کا تصویری خبرنامہ

جشنِ آزادی ۱۴ اگست ۱۹۸۴ء کے موقع پر تقریبات کی جھلکیاں

سبکدوش ہونے والے صدر، نائب صدر اور جنرل سکریٹری اختتامی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

الیکشن آفیسر اپنے معاونین کے ساتھ کاغذاتِ نامزدگی چیک کر رہے ہیں

نئی مجلس منتظمہ منتخب ہونے کے بعد

Scanned with CamScanner
CamScanner

تقریب حلف وفاداری

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان

اور نہایت رحم والا ہے

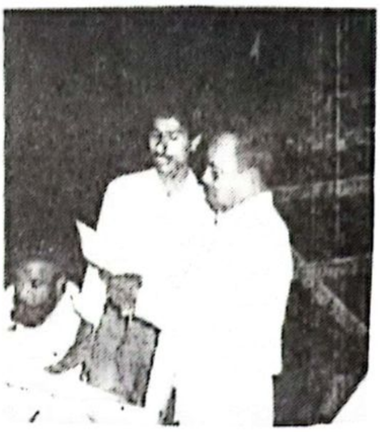

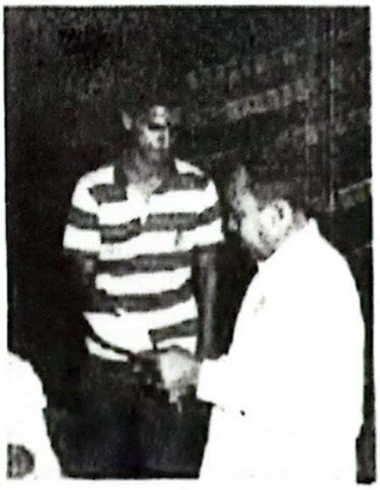

جناب محمد مبین صاحب الیکشن آفیسر منتخب مجلسِ منتظمہ برائے سال ۸۵-۱۹۸۴ء سے حلف لے رہے ہیں

Scanned with CamScanner

جناب مقصود حسین صاحب، جناب رحمت الٰہی ایڈوکیٹ صاحب، اور جناب محمد حنیف صاحب
فرینڈز سرکل کی سرگرمیوں پر اظہارِ خیال فرما رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

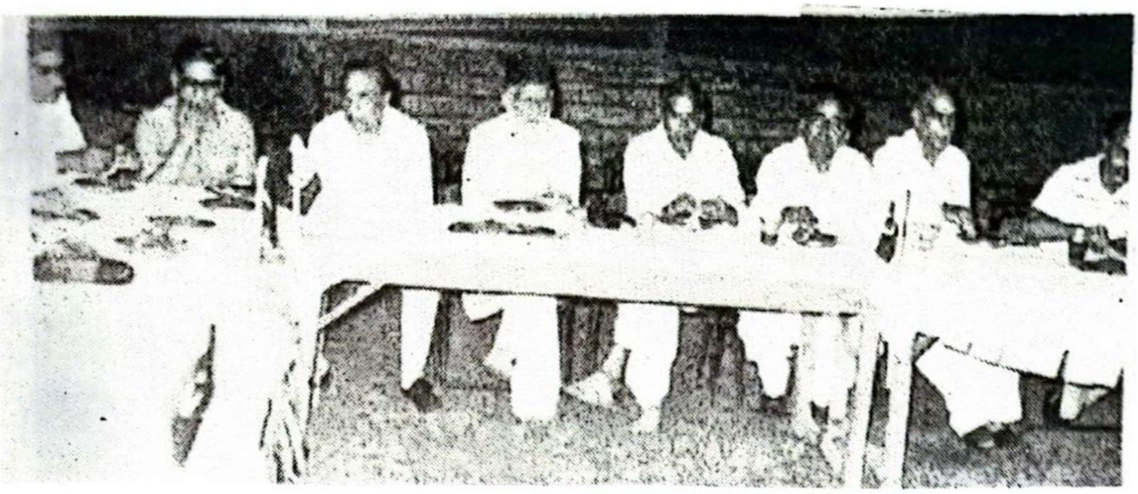

ممبران کھانے سے
لطف اندوز
ہو رہے ہیں

تقریب کے اختتام
پر
پُر تکلّف عشائیہ

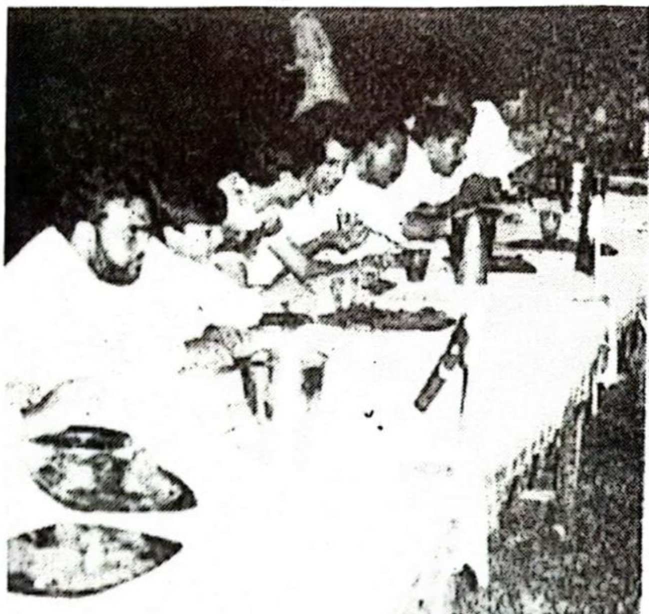

Scanned with CamScanner
CamScanner

جشنِ آزادی ۱۴ اگست کو مثالی طور پر منانے کے بعد

تقریب کے اختتام پر سابقہ مجلسِ منتظمہ کا ایک گروپ فوٹو

فرینڈز سرکل کے مستعد سوشل ورکرز جن سے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں

Scanned with CamScanner

کھیلوں کی سرگرمیاں

ٹیبل ٹینس چیمپئن شپ میں مقابلے کا ایک منظر

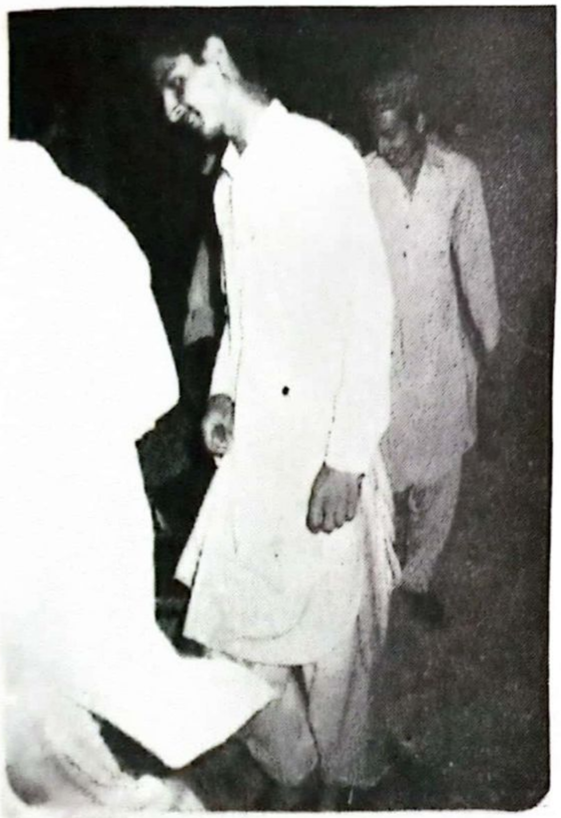

یہ ادائے دلبری یہ نگاہِ ناز ہے
سہیل جیلانی

مقابلہ میوزیکل چیئر

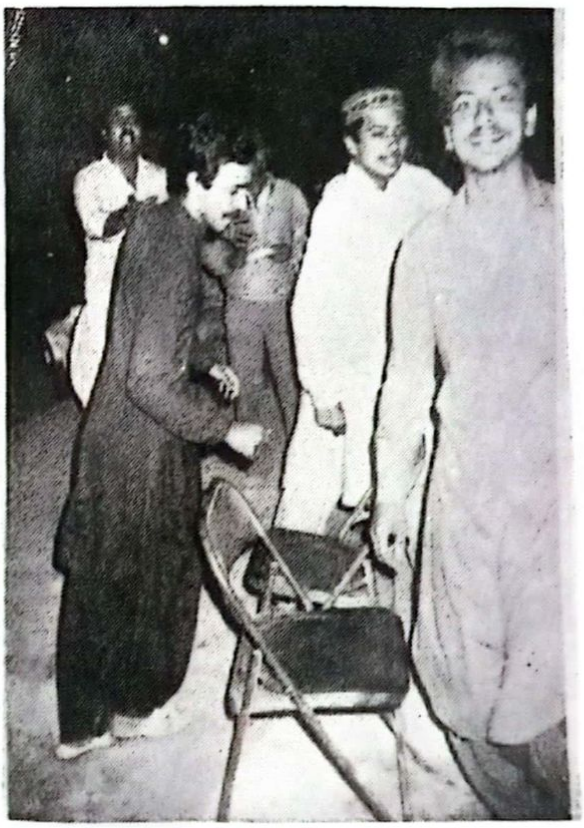

ہائے کرسی۔ ہائے کرسی

کامران عادل - کامیاب

مقابلہ شطرنج کا ایک منظر

مقابلہ زوروں پر جاری ہے

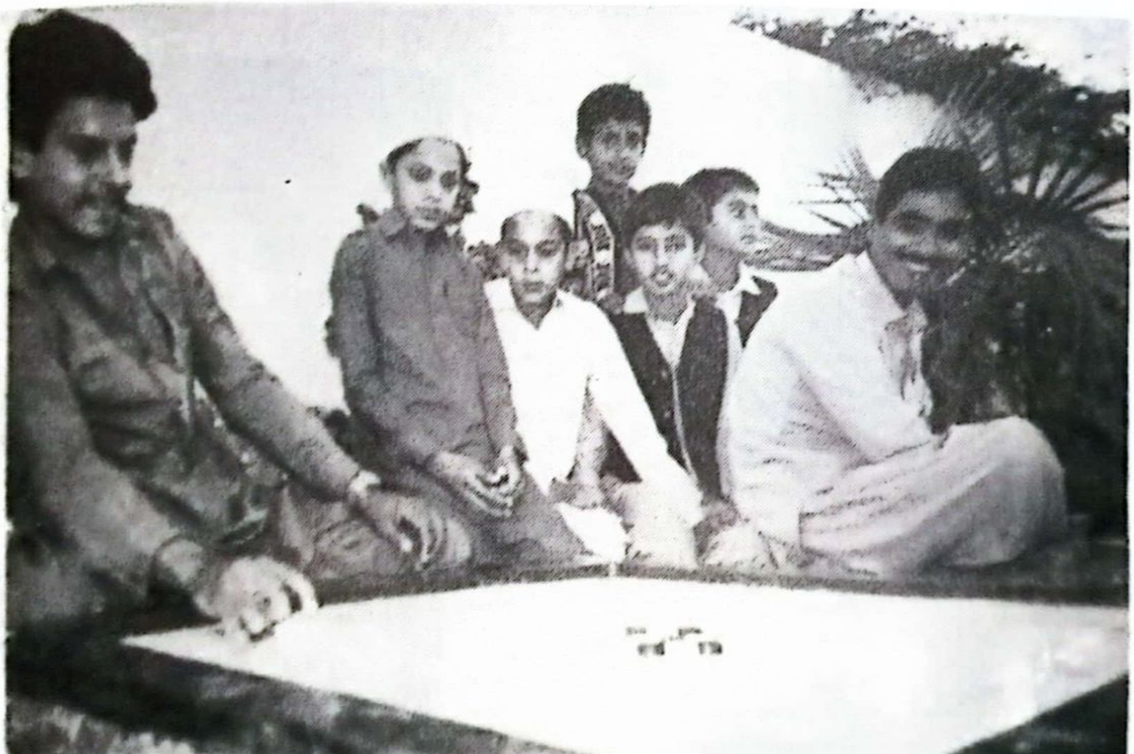

کیرم چیمپئن شپ

(دَر کامران عادل کیرم میں بھی کامران و کامران

کھیل کے میدان میں

چاند زمین پر اتر رہا ہے۔
سلیم احمد گولا پھینک رہے ہیں

شاٹ پٹ کے مقابلے

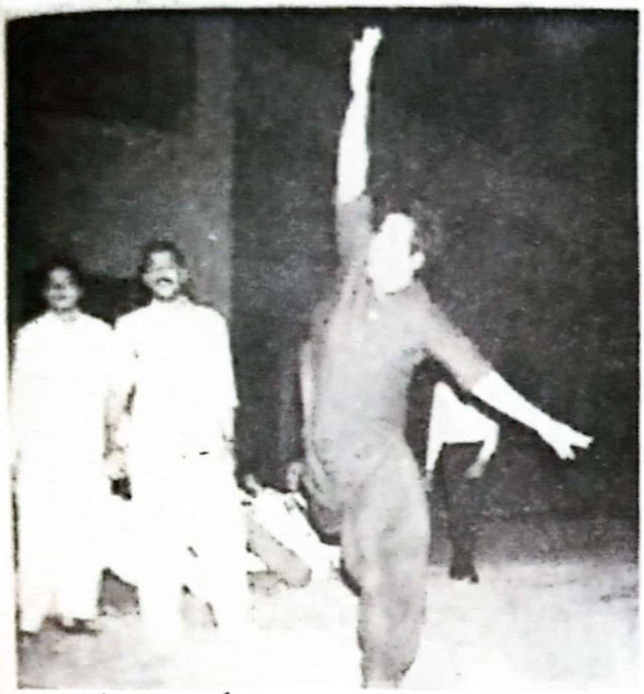

اے مقابلہ شاٹ پٹ کہیں یا بجنگرہ بالڈی۔ محمد یوسف سوشل سکریٹری

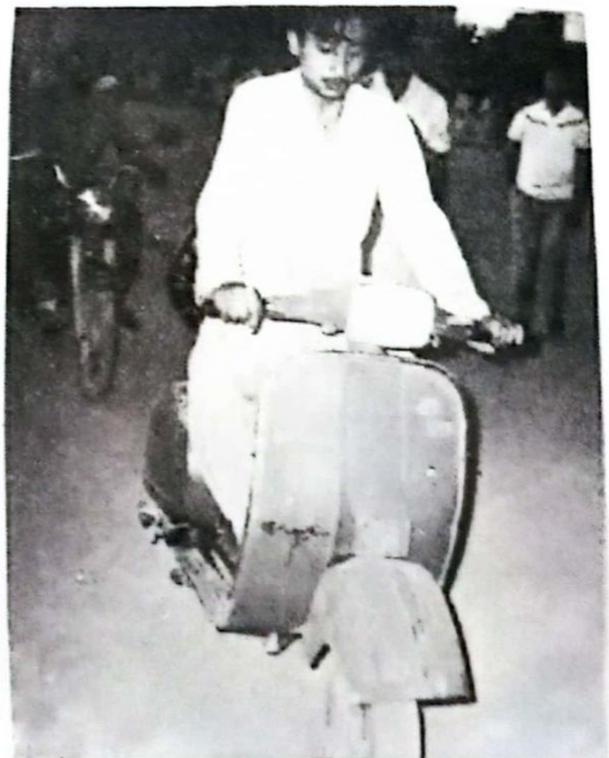

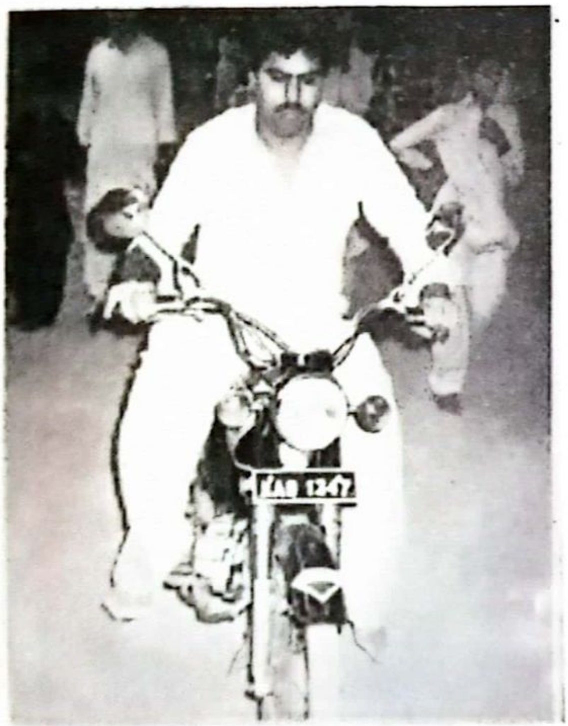

مقابلہ سلو اسکوٹر ریس

تیز چلانے والے رینگنے پر مجبور۔ تسلیم اور سلیم

پکنک

دو جنرل سیکریٹریوں کے درمیان صدر فرینڈز سرکل چھکا لگاتے ہوئے۔

پکنک کے دوران کرکٹ میچ کے دو خوبصورت مناظر

معزز ممبران پکنک سے بھرپور لطف اندوز ہو رہے ہیں

Scanned with CamScanner

جھیل کے کنارے ممبران ستا رہے ہیں۔

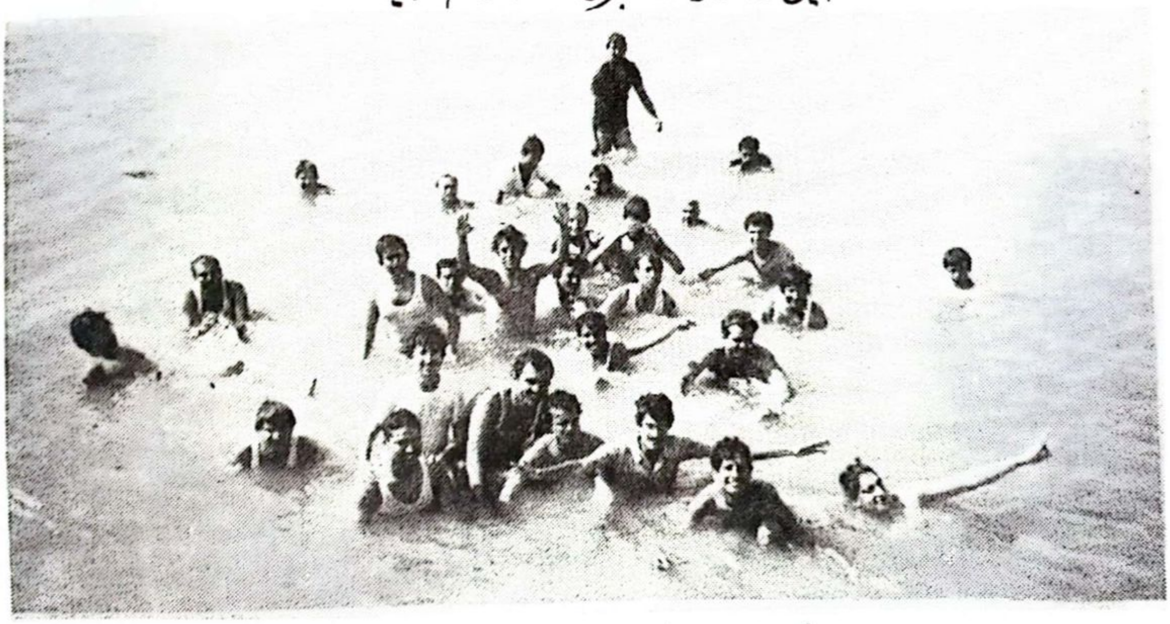

فرینڈز سرکل کے ماہرین تیراک

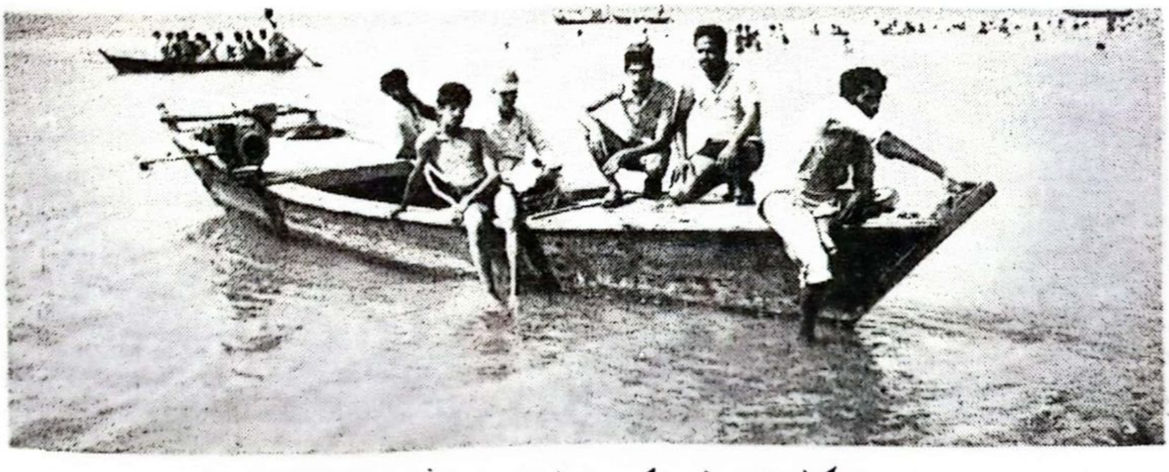

ممبران کشتی رانی میں کسی سے کم نہیں۔

ہائے عمران خان اب تو مان جاؤ۔
ممبران نسیم الدین کی ٹانگ پکڑے ہوئے

مرغی لگی نہیں۔
الطاف اور سہیل ذکائی

دیکھ نہیں رہے مرغی کاٹ رہا ہوں۔ سہیل

پانچ ممبران کے درمیان
ایک مرغی حلال ہو رہی ہے۔

سوئمنگ کے بعد ممبران سن باتھ لیتے ہوئے

پکنک کی تھکن چائے سے دور کی جا رہی ہے

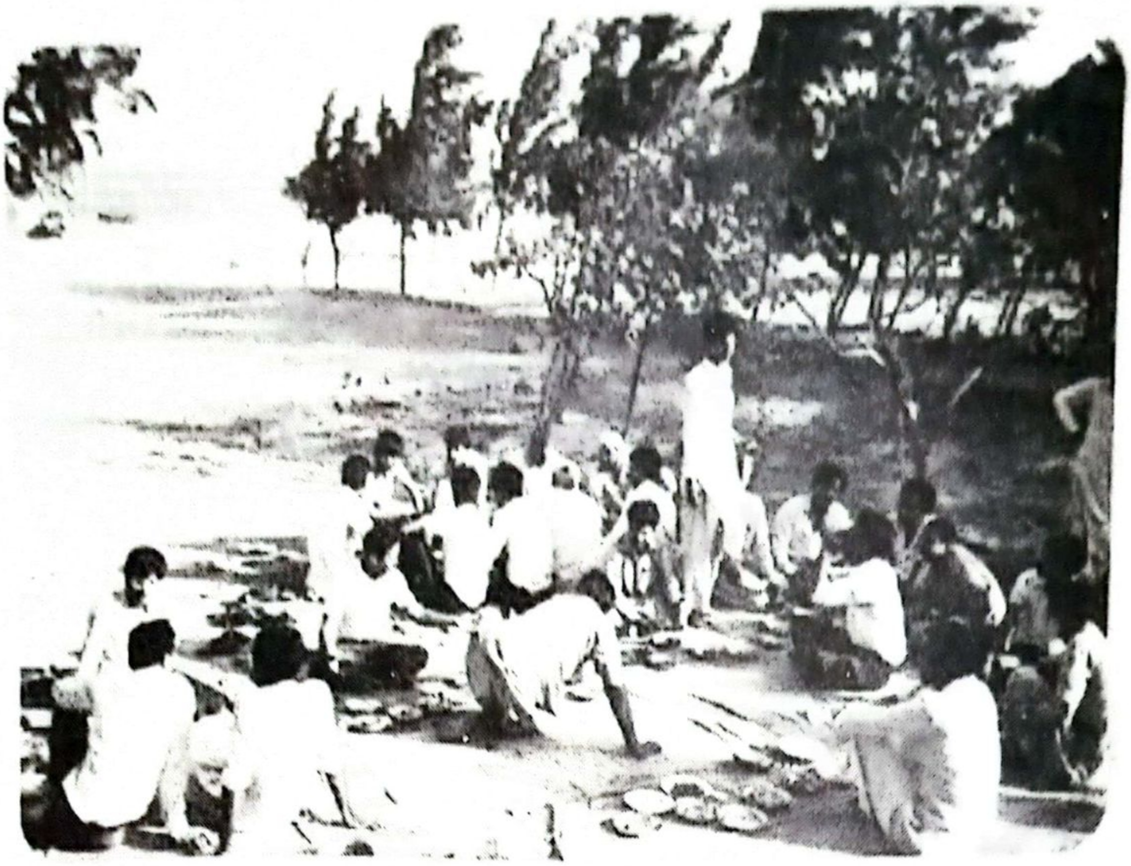

حلوہ پوری اور جھیل کا کنارہ ۔ گھی کی چپڑی اور ددددد

نہانے کے بعد کھانے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔

Scanned with CamScanner

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی غزل سنتے سنتے سو گیا ہے

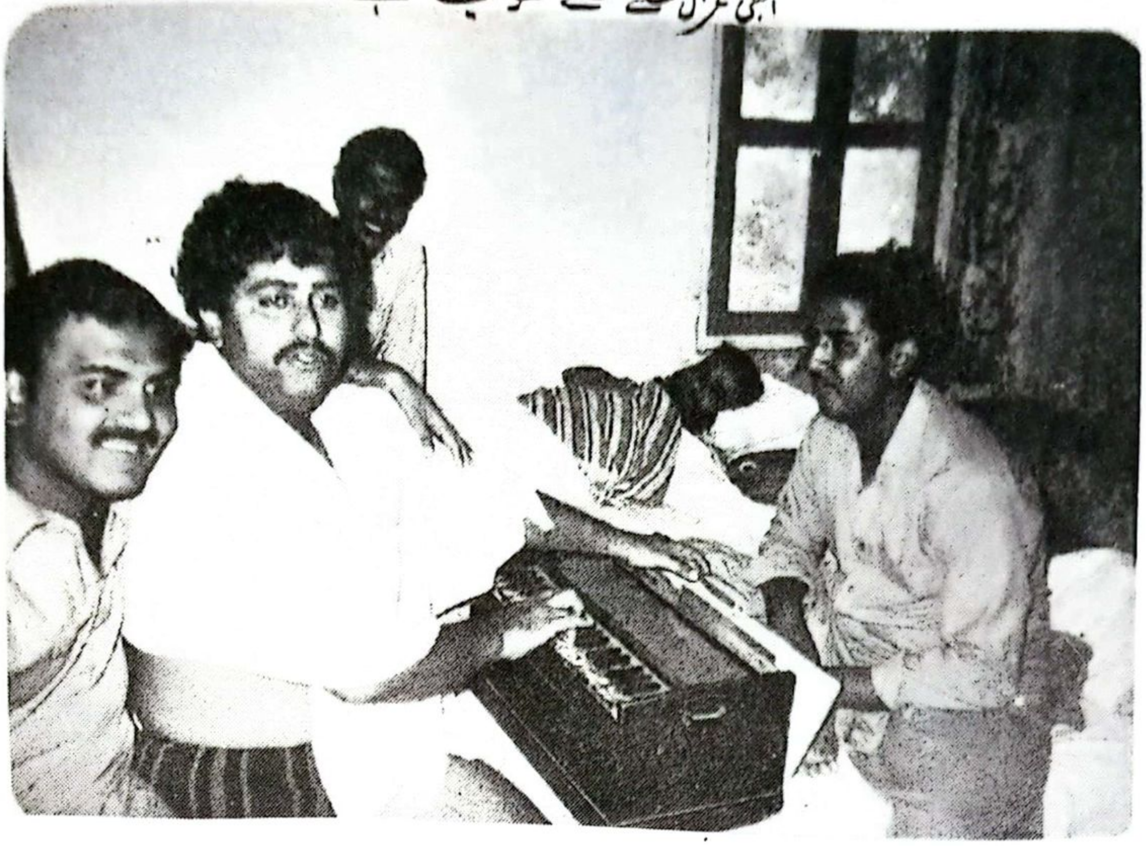

سلیم احمد گلوکار و موسیقار کا ایک انداز

کھلے ہوئے چہرے اچھّی پکنگ کے بعد

Scanned with CamScanner
CamScanner

شامِ سرکل

جناب مقصود رئیس صاحب شامِ سرکل میں بحیثیت مہمانِ خصوصی تشریف فرما ہیں

جنرل سکریٹری نسیم الدین شامِ سرکل میں مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں

ججز صاحبان میں سے ایک جج جناب محمد مبین صاحب مجلسِ منتظمہ کو کسی خاص نکتہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

معزز ممبران شامِ شعر کل کے پروگرام میں بہت مسرور نظر آرہے ہیں

مقابلہ معلوماتِ عامہ - ممبران کا انہماک

مقابلہ معلوماتِ عامہ میں خواتین کی بھرپور نمائندگی
پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی خاتون اپنی معاونین کے ساتھ ۔

Scanned with CamScanner

بچّوں کا مقابلۂ قراءت و نعت خوانی

Scanned with CamScanner

بچوں کے مقابلہ حسن و قرأت اور نعت کے مختلف منظر۔

Scanned with CamScanner

مقابلہ حُسنِ قرأت اور نعت خوانی کے مختلف مناظر

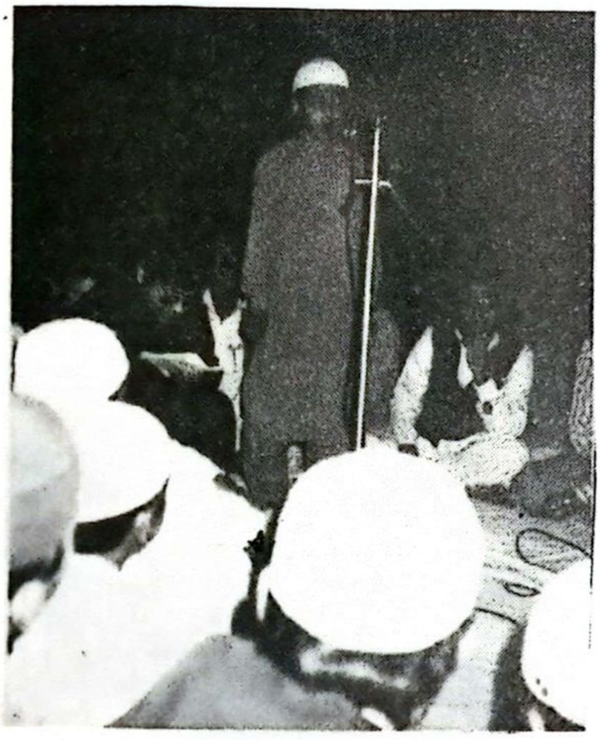

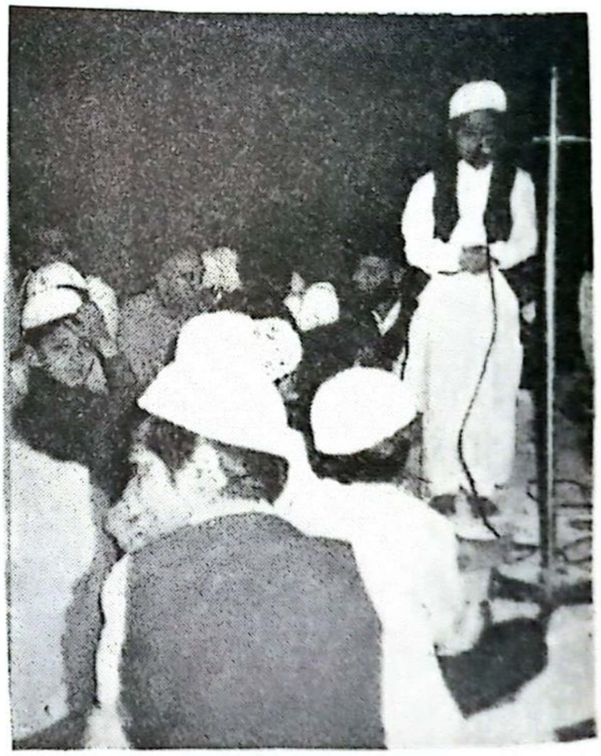

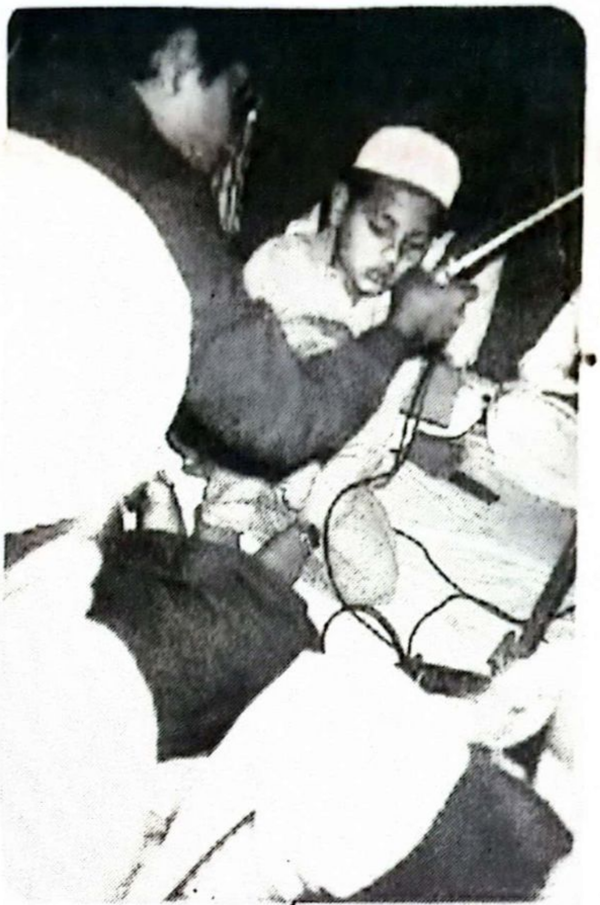

کمسن بچے حمد، نعت، اور قرات کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

گزشتہ سال کا تصویری جائزہ

بزم طلباء ۸۴-۱۹۸۳ء

مہمانِ خصوصی صدر اور نائب صدر کے درمیان

نسیم الدین لٹریری سیکریٹری بزم طلباء کا باقاعدہ آغاز کر رہے ہیں

مہمانِ خصوصی کا استقبالیہ کمیٹی کے ساتھ ایک گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

صدر فرینڈز سرکل خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے

مہمانِ خصوصی جناب جمیل احمد نقوی صاحب

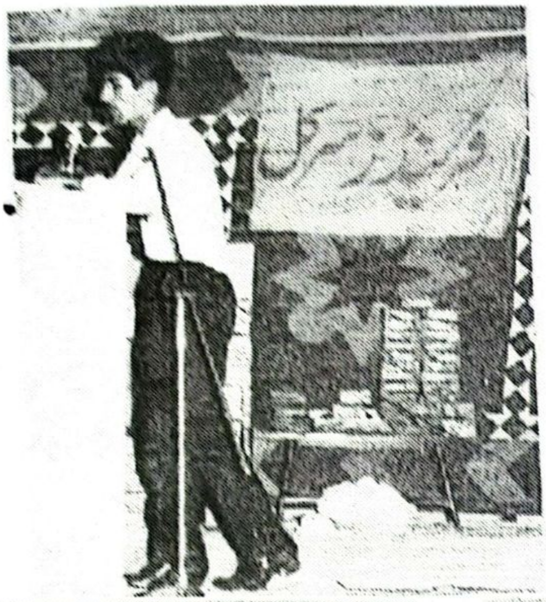

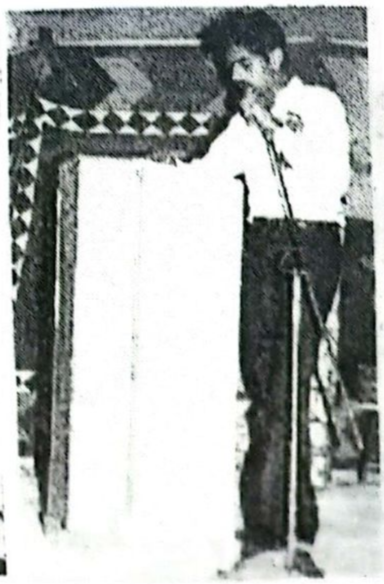

ارکان مجلس منتظمہ سالانہ رپورٹس پیش کرتے ہوئے ۔

Scanned with CamScanner

طلباء پارٹی

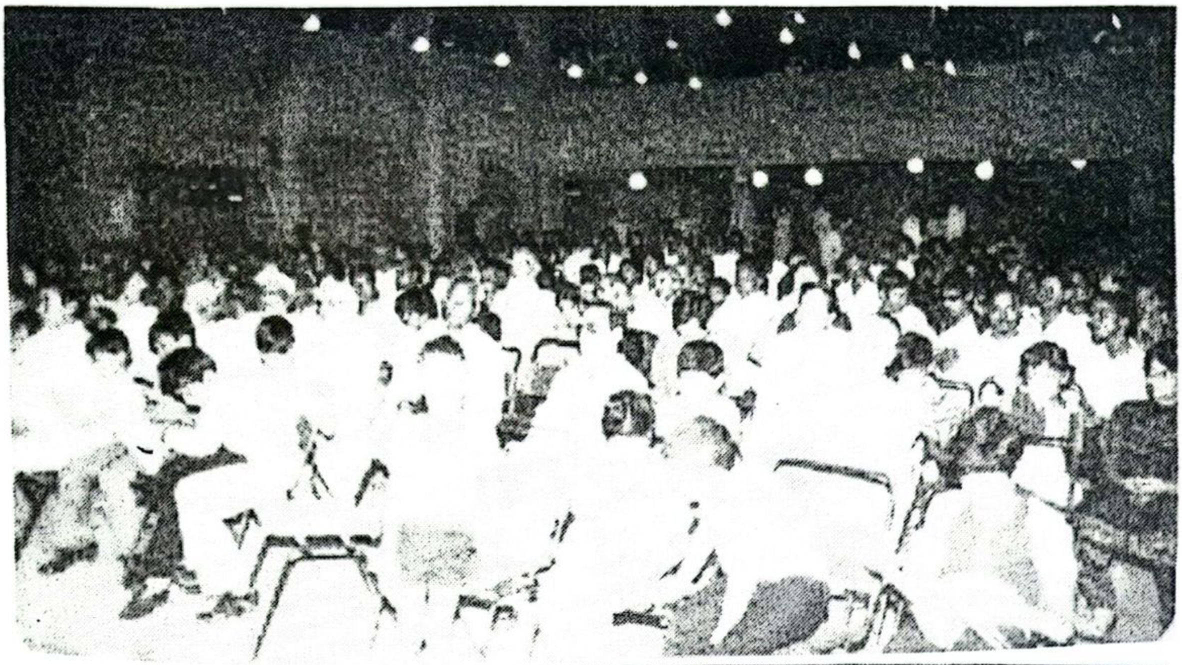

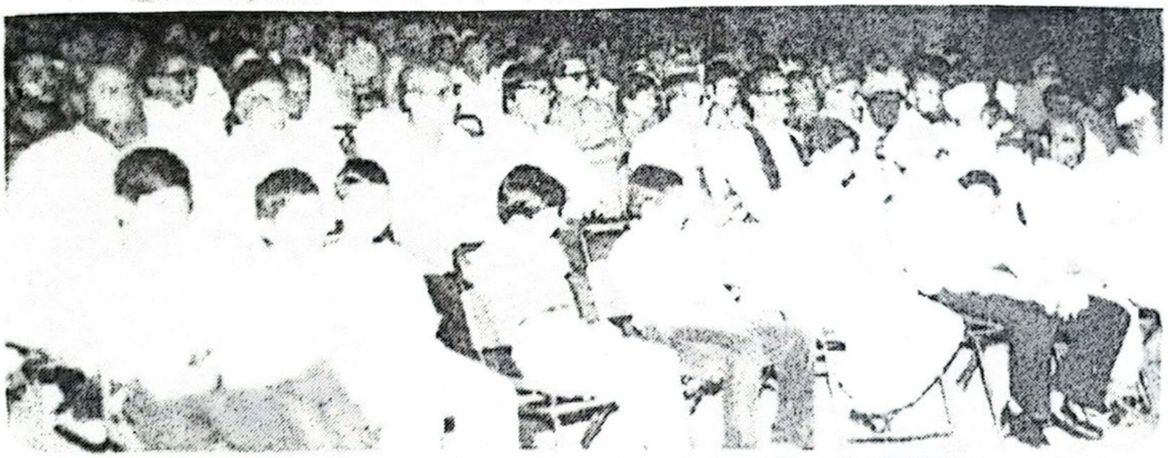

حاضرین محفل

Scanned with CamScanner

تقسیمِ انعامات

ثوبیہ سعید میٹرک میں پہلی پوزیشن

فرہینہ مبین انٹر میں پہلی پوزیشن

فرہینہ نثار میٹرک میں خصوصی انعام

الطاف اقبال انٹر میں دوسری پوزیشن

معین الدین (خصوصی انعام الیکٹریکل انجینیر)

Scanned with CamScanner

تقسیم انعامات کے چند مختلف مناظر

صدر فرینڈز سرکل تقریری مقابلہ میں پہلا انعام لیتے ہوئے

محی الدین نعت خوانی میں پہلا انعام لیتے ہوئے۔

سلیم احمد مین آف دی ڈے

مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل کا استقبالیہ کمیٹی کو خراج تحسین۔

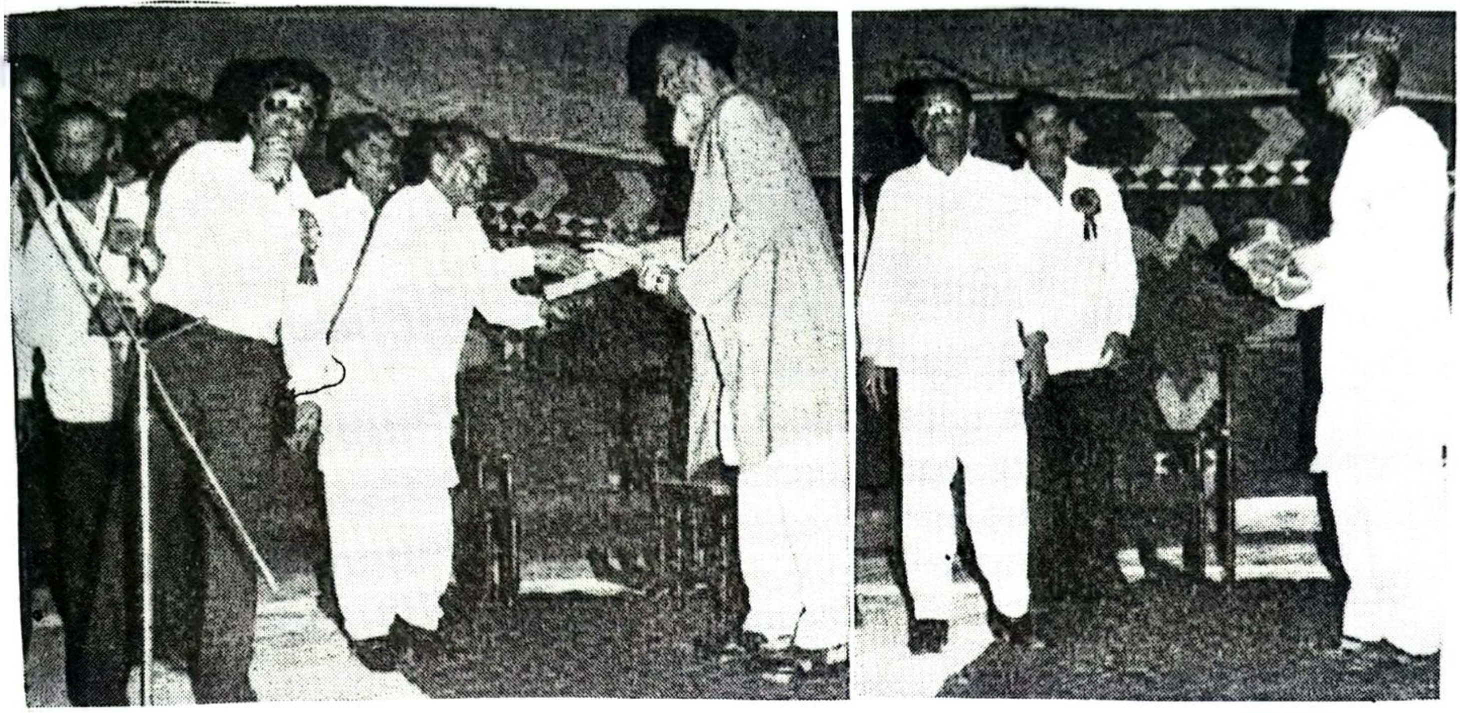

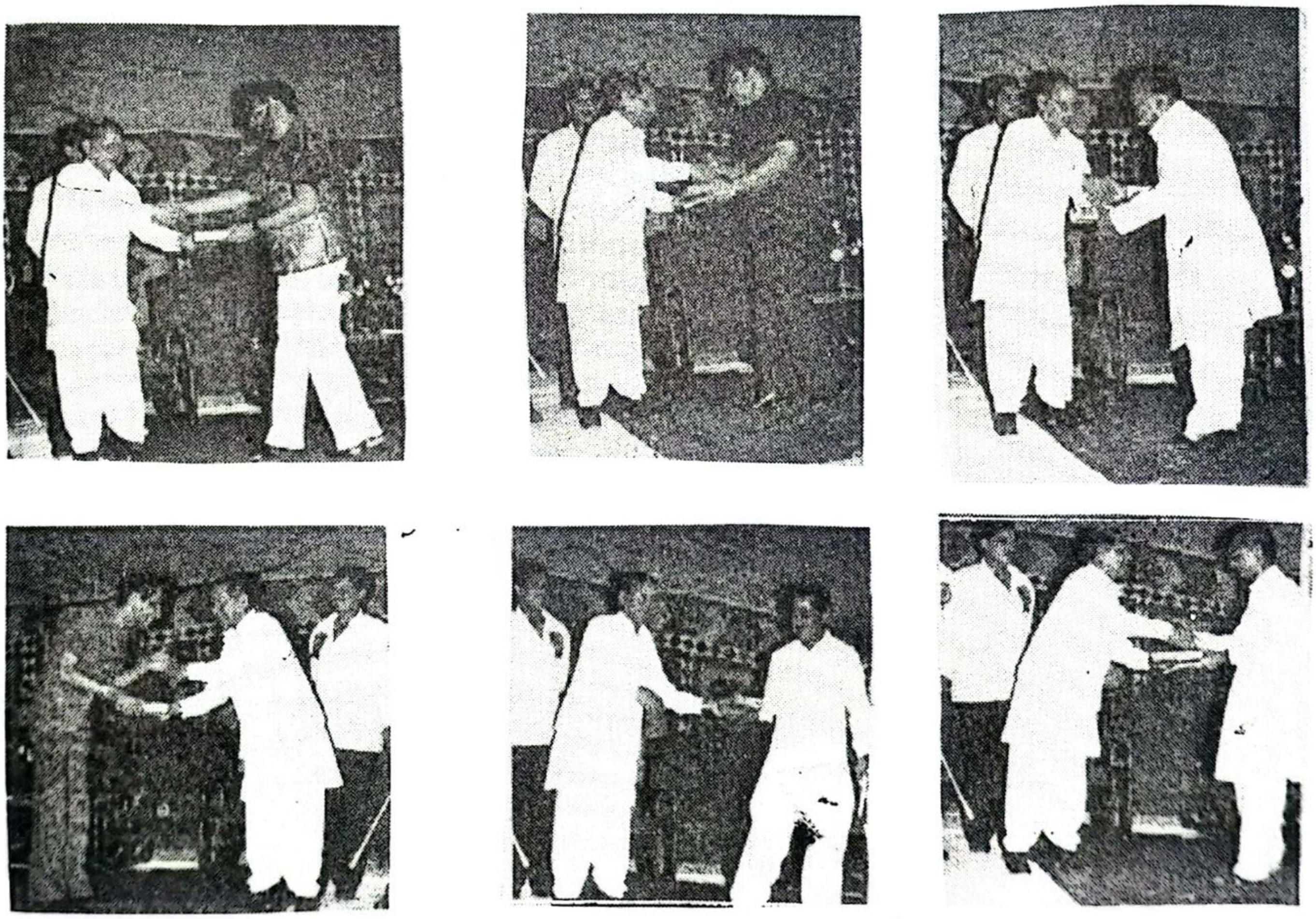

مہمان خصوصی جناب جمیل احمد صاحب استقبالیہ کمیٹی کو انعامات دے رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ہمارے مستعد سوشل ورکرز ریفریشمنٹ سے پہلے شربت کی مٹھاس چکھ رہے ہیں۔

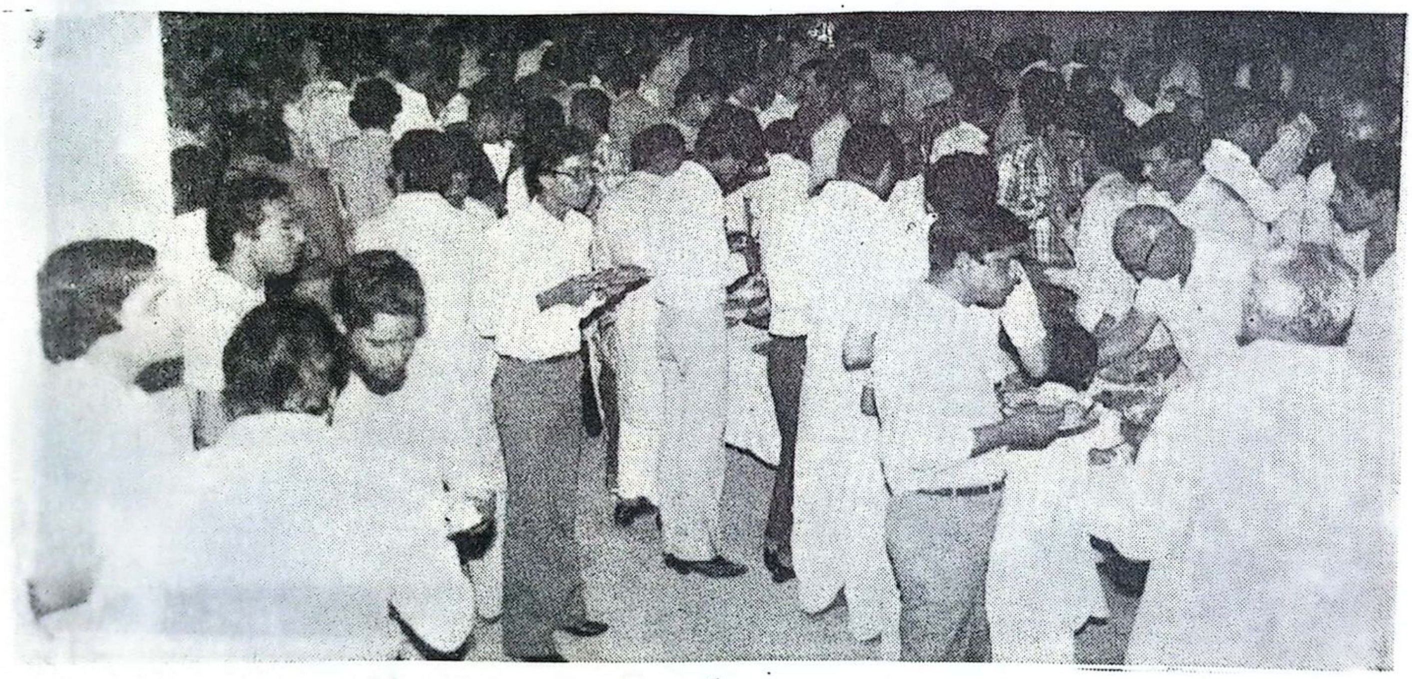

بزم طلباء میں شرکاء کی تواضع کا ایک منظر۔

بزم طلباء میں مدعو خواتین کھانے میں مصروف ہیں۔

Scanned with CamScanner
CamScanner

حمیرا مزمل

تحریر سے شخصیت کی پہچان ہوتی ہے

"تحریر شناسی" قدیم علوم میں سے ایک ہے۔ مغربی ممالک میں یہ فن بہت ترقی کر رہا ہے۔ تحریر سے انسان کی شخصیت کو پہچانا جا سکتا ہے۔ ہر شخص کی تحریر مختلف ہوتی ہے۔ اگر آپ تحریر شناسی کے ان اصولوں کو سمجھ لیں تو لوگوں کو پہچاننا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

(۱) تحریر سیدھی لکیر میں ہو تو ایسا شخص نہ صرف پکے ارادے کا مالک ہوگا بلکہ اس میں قوتِ ارادی بھی ہوگی اور ذہنی طور پر وہ اچھے اور متوازن ذہن کا مالک ہوگا۔

(۲) تحریر جب آخر میں جا کر سطر سے اوپر چلی جائے تو ایسا شخص پُر امید ذہن کا مالک ہوگا۔ اس میں تھوڑی خود پسندی ہوگی۔ یعنی وہ اپنے آپ پر فخر کرنے والا ہوگا۔

(۳) تحریر جب آخر میں سطر سے نیچے چلی جائے تو ایسا شخص موڈی اور بے حد کم ہمت ہوگا۔ اس کا ذہن نا امیدی کا شکار رہے گا

(۴) تحریر جب چھوٹے اور بہت ننھے الفاظ سے لکھی ہو تو ایسا شخص ایک آرٹسٹک ذہن کا مالک ہوگا۔ وہ اپنا کام توجہ اور احتیاط سے کرے گا۔ وقت کا قدر دان، سوچوں کو حقیقت کا روپ دینے والا اور ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑنے والا ہوگا۔

(۵) تحریر جب بڑے بڑے حروف پر مشتمل ہو تو ایسا شخص بے چین، بڑے بڑے کام کرنے کا شائق، دوسروں پر تاثر قائم کرنے کا خواہاں اور خود اعتماد ہوگا۔

(۶) تحریر کے درمیان کم فاصلہ ہو تو ایسا شخص خیالات سے منسلک ہوگا اور اسے اس بات کا خوف ہوگا کہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔

(۷) جب تحریر میں زیادہ فاصلہ ہو تو ایسا شخص آرام پسند ہوگا۔ اس کے خیالات صاف ہوں۔ احتیاط پسندی بھی اس میں ہوگی۔

(۸) جب حروف کے درمیان فاصلہ بالکل برابر ہو تو ایسے آدمی کی تحریر بتاتی ہے کہ یہ شخص سرد مہر اور سازشی ہے اور اس میں رحم پسندی نہیں ہے۔

(۹) جب حروف کے درمیان فاصلہ کبھی زیادہ ہو اور کبھی کم ایسا شخص بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے اور اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۰) اگر تحریر کافی دبا دبا کر لکھی جائے تو ایسا شخص دوسروں کو

باقی صفحہ ۸۳ پر

Scanned with CamScanner

رپورٹ

نسیم الدین - جنرل سیکریٹری

فرینڈز سرکل کا کارواں پوری آب و تاب اور رعنائیوں کے ساتھ اس سال بھی آگے کی منزل کی طرف رواں دواں ہے - میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں جس نے مجھے اعزاز بخشا کہ میں بحیثیت جنرل سیکریٹری فرینڈز سرکل آپ کے سامنے مجلس منتظمہ کی مکمل سالانہ رپورٹ پیش کروں - اس مرتبہ بھی جملہ اراکین برادری اور ممبران فرینڈز سرکل نے ہماری بھرپور ہمت افزائی فرمائی اور ہمارے پروگراموں میں بھرپور حصہ لیکر اسے کامیاب بنایا یہ ان کا حسن نظر اور ہماری حوصلہ افزائی تھی -

۱۴ ر اگست ۱۹۸۴ء کو مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل کے انتخاب کیلئے الیکشن منعقد ہوا - الیکشن افسر کے فرائض جناب محمد مبین صاحب نے انجام دیئے جس میں ممبران نے بھرپور حصہ لیا - الیکشن کے انعقاد کے موقع پر جمعیت حکیماں دہلی کی سرکردہ شخصیتوں نے بطور مہمان شرکت فرمائی - جس میں جناب مقصود حسین صاحب جناب رحمت الہی ایڈوکیٹ شامل ہیں - اس موقع پر مندرجہ ذیل عہدیداران بلا مقابلہ منتخب قرار پائے -

صدر جناب شجاع الدین صاحب ، نائب صدر جناب پرویز اشرف صاحب - جنرل سیکریٹری جناب نسیم الدین صاحب - جوائنٹ سیکریٹری جناب الطاف اقبال صاحب - لیٹریری سیکریٹری جناب نوید اطہر صاحب فنانس سیکریٹری جناب محمد متین صاحب - سوشل سیکریٹری جناب محمد یوسف صاحب - پروپیگنڈہ سیکریٹری جناب محمد سہیل جیلانی صاحب - اسپورٹس سیکریٹری جناب اقبال احمد صاحب -

جناب محمد مبین صاحب نے نئی مجلس منتظمہ برائے سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے عہدیداران سے حلف وفاداری لیا اور مختصر تقریر فرمائی - جناب مقصود حسین صاحب نے اور رحمت الہی صاحب نے سرکل کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور ان کی خدمات کو سراہا -

جناب مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نے بجٹ پیش کرتے ہوئے ممبران سے جو

وعدے کئے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ممبران کے تعاون سے پورے کئے۔ ان تمام پروگراموں میں ممبران نے بھرپور شرکت اور تعاون کیا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہم اپنے وعدوں میں پورے اترے ہم نے جو پروگرام منعقد کئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عیدالضحیٰ تکہ پارٹی:-

فرینڈز سرکل کی سالانہ تکہ پارٹی عیدالضحیٰ کے چوتھے روز بتاریخ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۴ء کو منعقد ہوئی۔ اسی دوران ہمارا سالانہ بجٹ ممبران کے سامنے منظوری کیلئے پیش ہوا جسے ممبران نے بغیر کسی ترمیم کے منظور کرلیا اور اس موقع پر کڑھائی گوشت، سیخ ابلے اور بہاری کباب اور کولڈ ڈرنک پیش کی گئی۔

اسپورٹس ڈے:- بین الاقوامی اصول ہے کہ صحت مند قوم بنانے کے لئے کھیلوں کا انعقاد ضروری ہے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل سالانہ اسپورٹس منعقد کرتی ہے اس سال اسپورٹس کے مقابلوں میں ممبران نے بھرپور حصہ لیا ہمارے فائنل پروگرام کئی دن تک منعقد ہوتے رہے جن کھیلوں میں ممبران نے شرکت فرمائی اس کی تفصیل اسپورٹس سیکریٹری کی رپورٹ میں موجود ہے اس دن تواضع کیلئے چائے اور چکن قورمہ اور موسمی پیش کی گئی۔

جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم:- شکر ہے اس ربّ کریم کا جو ہم سب کو اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان محفلوں میں شرکت کرتے ہیں جس میں اللہ اور اس کے پیارے رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے۔

فرینڈز سرکل کی مجلس منتظمہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۸۵ء بروز جمعہ جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرنے کا اعلان کیا۔

گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ہمارے سرکل کے سینیئرز ممبران اور دیگر برادری کے سرکردہ افراد نے بھرپور تعاون کیا۔ اس مرتبہ بھی عام برادری کو مدعو کیا گیا۔

اس عظیم الشان محفل کے مہمانِ خصوصی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اور حضرت مولانا نے شرکت فرمائی۔

آخر میں ۱۲ سال سے کم عمر بچوں کو انعامات سے نوازا گیا۔ جس کی تفصیل آپ لٹریری سیکریٹری کی رپورٹ میں پڑھیں گے۔

اختتام جلسہ پر مہمانوں کی تواضع کیلئے کوفتے کا سالن اور خمیری روٹی اور زردہ پیش کیا گیا۔

شام سرکل شام سرکل ہمارے پروگراموں میں ایک اہم پروگرام ہے اس میں ہم ادبی پروگرام منعقد کراتے۔ اس سال ہم نے شام سرکل میں ممبران کو ان کی بیگمات کے ساتھ شرکت کی دعوت دی جس میں ممبران کی بیگمات کی بھرپور شرکت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی فرینڈز سرکل کی ممبر بننا چاہتی ہیں۔

اس میں مختلف ادبی مقابلے منعقد ہوتے جسکی تفصیل لیٹریری سیکریٹری کی رپورٹ میں مل جائیگی۔ اختتام پروگرام پر شرکاء کیلئے گارڈن پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔

پکنک:- جب ہم فرینڈز سرکل کا نام لیتے ہیں تو پکنک کا خیال خود بخود ذہن میں ابھرتا ہے۔ جب مجلس منتظمہ سرکل پکنک کی تاریخ کا اعلان کرتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پکنک کے نام سے ممبران کھل اٹھے ہیں۔

یکم مئی ۱۹۸۵ء کو کلری جھیل پر پکنک منانے کا پروگرام بنا۔ ۳۰ اپریل کی رات ممبران بوستان حکیماں پر جمع ہوتے رات کا کھانا کھایا۔ رات کے کھانے میں ممبران کیلئے قیمہ، خمیری روٹی اور شاہی ٹکڑوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

اس مرتبہ بھی ممبران کی سہولت کیلئے دو بسوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد ممبران کلری جھیل پر روانہ ہوتے۔ پوری رات ممبران کھیل میں مصروف رہے

صبح ممبران کے درمیان شاندار کرکٹ میچ منعقد ہوا۔ ممبران کے ناشتے کیلئے حلوائی کو ساتھ لیکر گئے تھے۔ صبح ناشتے میں حلوہ پوری چائے سے ممبران کی تواضع کی گئی۔

صبح کے وقت ہمارے سینیئر ممبران تشریف لائے اور جناب عاشقین صاحب سابق صدر فرینڈز سرکل نے جو کہ سعودی عرب سے تشریف لائے ہوتے تھے ممبران کی سرگرمیوں کا بھرپور جائزہ لیا۔ اور ان کا ڈسپلن دیکھکر انتہائی مسرت کا اظہار کیا ناشتہ کے بعد ممبران سوئمنگ کرنے چلے گئے۔ اور دوپہر کے کھانے پر چکن کڑھائی پیش کی گئی۔ یہاں سے زندہ مرغیاں لے کر گئے تھے باقی انتظام وہیں کیا گیا۔ فروٹ میں خربوزہ پیش کیا گیا۔ شام کو چائے پیش کی گئی۔ اس طرح ایک شاندار اور یادگار پکنک کا اختتام ہوا۔

عید ملن پارٹی اور جنرل باڈی میٹنگ

۲۵ جولائی ۱۹۸۵ء کی رات ۹ بجے ممبران کی سالانہ عید ملن پارٹی منعقد ہوئی۔ جس ممبران کی تواضع

کیلئے چکن کڑھائی اور آئس کریم پیش کی گئی۔ عید ملن کے ساتھ سالانہ جنرل باڈی میٹنگ بھی منعقد ہوئی۔ جس میں جنرل سیکریٹری سابقہ جنرل باڈی کی رپورٹ پڑھکر سنائی اور ممبران سے اس کی منظوری لی

بزم طلباء:۔ مجھے لکھتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ بحیثیت جنرل سیکریٹری بزم طلباء کے پروگرام میں شریک ہوں۔

اس مرتبہ ملکی حالات اور دیگر امور کی وجہ سے بزم طلباء کا پروگرام تھوڑا دیر سے منعقد ہوا۔ مجھے بھرپور اندازہ ہے کہ طلباء اس پروگرام کا کس قدر بے چینی سے انتظار کرتے ہیں آج اس پروگرام میں اتنی بڑی تعداد میں ان کی شرکت اس بات کی دلیل ہے۔

ہمارا آئندہ پروگرام انشاء اللہ ۱۴ راگست ۱۹۸۵ء کو الیکشن منعقد ہو گا اس کے لیے الیکشن افسر کا تقرر عمل میں آچکا ہے۔ ہماری مجلس منتظمہ برائے سال ۸۵-۱۹۸۴ء سبکدوش ہو جائے گی۔ اور انشاء اللہ نئی مجلس منتظمہ منتخب ہو کر اپنی ذمہ داریاں سنبھالے گی۔

ہم نے پورے سال جو پروگرام منعقد کئے ان کو کامیاب بناتے میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

آخر میں ہم تمام اراکین فرینڈز سرکل برادری کے سرکردہ حضرات کا شکر گذار ہوں جنہوں نے ہماری تمام تر کوتاہیوں کے باوجود ہماری راہنمائی فرمائی اور تعاون کر کے ہمارے پروگراموں کو کامیاب بنایا، خصوصاً جناب محمد حنیف صاحب۔ جناب عبدالخالق صاحب ذکائی۔ محمد مبین صاحب جناب انعام الدین صاحب اور جناب ناظم الدین صاحب لقائی۔ ان حضرات نے اپنی مصروفیات کے باوجود ہماری ہر طرح سے معاونت فرمائی۔

Scanned with CamScanner

لٹریری سکریٹری کے قلم سے

نوید اطہر
لٹریری سکریٹری

میں اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں بحیثیت لٹریری سکریٹری آپ حضرات کے سامنے سرکل کی ادبی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کروں یقین جانئے وہ ایسا لمحہ تھا جب میرے ساتھی نے ایک عدد ہینڈ بل تھما دیا تھا جس میں تمام مجلس منتظمہ کے عہدیداران کے نام لکھے ہوئے تھے لٹریری سکریٹری کے سامنے نوید اطہر میرا نام لکھا تھا۔ یہ ہینڈ بل پڑھکر بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ذہن میں ایک ہی نام کی بازگشت سنائی دینے لگی "نسیم الدین" اس نام کو لٹریری سے جو نسبت رہی ہے اور اس عہدے کو بھی نسیم الدین نے جو معنیٰ دیئے ہیں ان کو برقرار رکھنا ان کی پیش روی کرنا، میرے لئے ایک دشوار مرحلہ تھا کیونکہ جب میں نے اپنی ذمہ داری سنبھالی تو سوچ رہا تھا کہ خاصا سہل کام ہوگا مگر جب پہلے ہی مرحلے پر ارادوں کی تمام تر استقامت بھربھری ریت کی دیوار کی صورت میں گرتی نظر آئی لیکن آخر ہم بھی "ہمتِ مرداں مدد خدا" کا نعرہ بلند کرکے میدانِ عمل میں آگئے۔ ممبران مجلس منتظمہ کی حوصلہ افزائی گاہے بگاہے نسیم الدین صاحب کے رہنمائی سے اس کام سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کی جس کا مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے

سال رواں ۱۹۸۴ - ۱۹۸۵ء میں ممبران فرینڈز سرکل نے ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بچوں نے مقابلہ حسن قرآت اور نعت خوانی میں بہت ذوق اور شوق سے حصہ لیا خاص بات یہ کہ اس سال فرینڈز سرکل نے "شام سرکل" منعقد کی جس میں ممبران فرینڈز سرکل کو بیگمات کے ساتھ مدعو کیا گیا جو خلافِ توقع بہت کامیاب رہی اس میں بہت سے ادبی پروگرام منعقد کئے گئے جس کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

جلسہ عید میلاد النبیؐ کے موقع پر امسال بھی ۱۲ سال سے کم عمر بچوں کا مقابلہ حسن قرآت، مقابلہ حمد وثنا اور مقابلہ نعت خوانی ۱۴ دسمبر ۱۹۸۴ء بروز جمعتہ المبارک کی شام پانچ بجے منعقد کیا گیا پچھلے سال کے مقابلے میں اس سال پروگرام میں بچوں کی ایک کثیر تعداد نے حصہ لیا یہ پروگرام کی کامیابی کی دلیل ہے جبکہ مقابلہ شریک بچے اور بچیوں کی تعداد تقریباً ۷۰ تھی۔ اس سال بھی بچوں کے دو گروپ میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ لحاظ عمر ۵ سال سے ۸ سال تک اور ۹ سال سے ۱۲ سال تک۔

مقابلہ حسنِ قرآت میں ۵ سال سے ۸ سال تک بچوں میں انعام حاصل کرنے والے قاری۔

اول انعام ——— قاری انعم عزیز ولد عزیز حسن

دوئم انعام ——— قاری سعد الدین ولد انوار الدین

سوئم انعام ——— قاریہ تہنیت عزیز بنت عزیز الرحمن

مقابلہ حسن قرآت میں ۹ سال سے ۱۲ سال تک کے عمر کے بچوں میں انعام حاصل کرنے والے قاری

Scanned with CamScanner

اول انعام ـــــــــ قاری عزیز احمد ولد انیس احمد

دوئم انعام ـــــــــ قاری محمد فیصل مختار ولد مختار احمد

سوئم انعام ـــــــــ قاری محمد فرحان ولد فیاض الدین۔

مقابلہ حمد و نعت کے مقابلے میں بچوں کی بہ نسبت بچیوں نے زیادہ حصہ لیا۔ ۸ سال تک کی عمر کے بچوں میں انعام حاصل کرنے والے۔

اول انعام ـــــــــ کاشف نایاب ولد نایاب الدین

دوئم انعام ـــــــــ مہ وش جمال بنت محمد ارشد جہاں

سوئم انعام ـــــــــ ذیشان نایاب ولد نایاب الدین

اسی طرح ۹ سال سے ۱۲ سال تک کی عمر کے بچے جنہوں نے مقابلہ حمد و نعت میں انعامات حاصل کئے ان کے نام

اول انعام ـــــــــ شاہینہ حفیظ بنت محمد حفیظ

دوئم انعام ـــــــــ سراج احمد ولد محمد حفیظ

سوئم انعام ـــــــــ ثمرینہ حنیف، اور سارا حنیف بنت محمد حنیف،

ان مقابلوں میں منصفین کے فرائض جناب محمد حنیف صاحب، جناب محمد مبین صاحب، جناب عبدالخالق ذکائی صاحب، جناب انیس صاحب، اور جناب مختار احمد شیخ صاحب نے انجام دیئے۔

میراں فرینڈز سرکل میں ادبی مقابلے بھی ہوئے ان کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

مقابلہ نعت خوانی

سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی اول انعام کے حق دار جناب محی الدین صاحب ٹھہرے دوئم انعام محمد سہیل ذکائی صاحب نے حاصل کیا جبکہ سوئم انعام راجہ اعجاز کو ملا۔

مقابلہ منتخب اشعار:۔

شعر و شاعری کے مقابلہ میں سابقہ لٹریری سکریٹری نسیم الدین نے برتری قائم رکھی، اور اول انعام کسی اور کو لے جانے نہیں دیا اس سال بھی اول انعام کے حق دار نسیم الدین کو منتخب کیا گیا۔ دوئم انعام راجہ اعجاز کو ملا۔ اور سوئم ندیم اعجاز نے حاصل کیا۔

مقابلہ مزاحیہ خاکے:۔

مقابلہ میں شریک تمام شرکاء نے بہت خوب اور دلچسپ خاکے سنائے مگر راجہ اعجاز نے حاضرین محفل کو کافی محظوظ کیا اور پہلا انعام حاصل کیا جبکہ محمد متین صاحب دوسرے انعام کے اہل قرار دیئے گئے۔ تیسری انعام ندیم اعجاز کو ملا۔

مقابلہ معلومات :- اس مرتبہ بھی فرینڈز سرکل کے زیر اہتمام ایک مقابلہ معلومات منعقد ہوا جس میں اول پوزیشن ہمارے سینئر ممبر جناب محمد حنیف صاحب نے حاصل کی دوئم اور سوئم بالترتیب جناب منصور احمد ذکائی اور جناب جاوید اقبال بقائی نے حاصل کیا۔

اس مقابلے کی خاص بات یہ تھی کہ مقابلہ معلومات میں خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بیگم راحت ذوالفقار نے اول پوزیشن حاصل کی دوئم پوزیشن بیگم یاسمین ہمایوں نے حاصل کی اور سوئم پوزیشن نیلوفر جاوید بقائی نے حاصل کی مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل نے فیصلہ کیا ہے کہ خواتین کو بھی انعامات دیئے جائیں گے۔

مقابلہ غزل و گیت :- اس سال ممبران سرکل نے مقابلہ گیت و غزل میں بھرپور حصہ لیا اور ہمارے نئے ممبر محمد فہیم نے مصنفین کے مطابق اول پوزیشن حاصل کی۔ دوئم اور سوئم بالترتیب راجہ اعجاز اور محی الدین انئے حاصل کی۔

اسی روز شام سرکل میں ایک مباحثہ بعنوان " اس ایوان کی رائے میں کیا خواتین کو بھی فرینڈز سرکل کا ممبر ہونا چاہیئے" منعقد کرایا گیا تھا۔ اور یہ قرارداد واضح اکثریت سے منظور ہو گئی اس کی مخالفت اور موافقت میں بہت دھواں دار تقریریں کی گئیں۔ اس مباحثہ میں اول انعام حاصل کرنے والے مقرر ندیم اعجاز، دوئم انعام حاصل کرنے والے مقرر جناب محمد مبین صاحب اور سوئم انعام محمد سہیل ذکائی نے حاصل کیا۔

ان ادبی پروگرامات میں مصنفین کے فرائض جناب محمد حنیف صاحب جناب محمد مبین صاحب جناب عبدالخالق صاحب اور جناب امیر حسن جیلانی صاحب نے انجام دیئے۔

آج ہم فرینڈز سرکل کا سب سے اہم پروگرام "بزم طلبا" منعقد کر رہے ہیں جس کا ہمارے ممبران اور طالب علموں کو بہت بے چینی سے انتظار تھا اس مرتبہ ہم بزم طلبا منعقد کرنے میں ذرا لیٹ ہو گئے اس کی وجہ ریفرنڈم، الیکشن اور دیگر ملکی عوامل تھے۔

سب سے پہلے ہم ان تمام طلباء و طالبات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے گولڈ میڈل، سلور میڈل اور دیگر انعامات حاصل کئے اور میں امید کرتا ہوں جن طلباء و طالبات نے انعام حاصل کئے وہ زیادہ محنت کرکے انشاءاللہ آئندہ انعام حاصل کریں گے ہمارا مقصد طلبہ کو تعلیم میں مقابلہ کا رجحان پیدا کرنا ہے تاکہ ہمارے طلباء تعلیم کے میدان میں تیزی سے آگے بڑھ سکیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے بزم طلباء کا اعلان جنوری میں کر دیا تھا اس مرتبہ کافی تعداد میں مارکس شیٹ ہم تک پہنچی ہیں ان میں درج ذیل طلباء نے پوزیشن حاصل کر کے انعامات حاصل کئے میٹرک کے طلباء و طالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے گزشتہ سال کی طرح امسال بھی (۷۰%) ستر فیصد سے زائد نمبر حاصل کرنے والوں کو انعامات دینے کا فیصلہ کیا گیا امسال ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ انٹرمیڈیٹ میں جن طلبا و طالبات نے (۶۵%) پینسٹھ فیصد نمبر حاصل کئے ہیں ان کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں بھی خصوصی انعامات سے نوازا جائے۔

Scanned with CamScanner

میٹرک :-

اول گولڈ میڈل ـــــــــــــ ارم حنیف ۸۹%

دوئم سلور میڈل ـــــــــــــ ارسلان مبین ۸۴-۶%

سوئم سلور میڈل ـــــــــــــ فائزہ ناز شفیق ۷۶-۶%

خصوصی انعامات مندرجہ ذیل طلباء وطالبات نے حاصل کئے۔

۱۔ رضوانہ ناز شفیق ۲۔ ندیم احمد قریشی ۳۔ نازیہ انجم ۴۔ نوید اقبال ۵۔ ندیم امتیاز

انٹرمیڈیٹ میں

اول ـــــــــــــ سہیل ارشد لقائی ۷۲-۲۷%

دوئم ـــــــــــــ ندیم جمیل ۷۲-۰۹%

سوئم ـــــــــــــ قوریہ لقائی ۷۰-۱۸%

خصوصی انعامات مندرجہ ذیل طلباء وطالبات نے حاصل کئے

۱۔ محمد نسیم ۲۔ رخشندہ ناز ۳۔ شیخ مسعود احمد ۴۔ احمد بی عندلیب ۵۔ عظمیٰ السمیع راولپنڈی

گریجویشن میں اس مرتبہ بھی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ زیادہ مارکس شیٹ موصول نہیں ہوئی لیکن جو ہمیں موصول ہوئی ہیں ان میں خصوصی انعام ترنم ناز بی ایس سی اور فرناز کوکب بی اے لاہور کی حق دار قرار پائیں

گذشتہ سال کی طرح امسال بھی پروفیشنل امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طالب علموں کو انعامات دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس مرتبہ ہمارے پاس صرف ایک مارکس شیٹ آئی جسے خصوصی انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔

خصوصی انعام وسیم عمر لقائی

آخر میں طلباء وطالبات سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی مارکس شیٹ مجلس منتظمہ فرینڈز سرکل تک ضرور پہنچایا کریں تاکہ ان کو مقابلے میں شریک کیا جاسکے۔

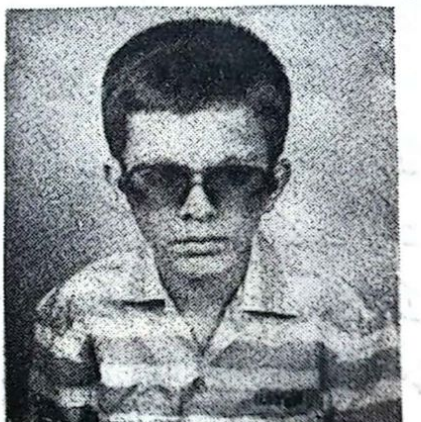

انعم عزیز جیلانی
ولد عزیز حسن جیلانی

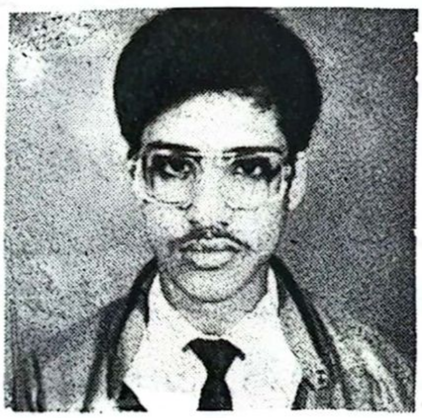

محمد سہیل زکائی
بہترین فوٹو گرافر

Scanned with CamScanner CamScanner

اقبال احمد (اسپورٹس سکریٹری)

اسپورٹس رپورٹ ۸۵-۱۹۸۴ء

خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد میں بحیثیت اسپورٹس سکریٹری آپ کے سامنے امسال ۸۵-۱۹۸۴ء میں ممبران کی کارکردگی پیش کرتا ہوں۔ ہر سال کی طرح امسال بھی ممبران نے کھیلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امسال اسپورٹس ڈے کا آغاز ۲۵ نومبر کی صبح سے ہوا اور بعد نماز مغرب تک جاری رہا۔ بقیہ پروگرام ۱۴ دسمبر ۱۹۸۴ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

امسال کچھ نئے کھلاڑی سامنے آئے جنہوں نے اپنے کھیل سے محظوظ کیا اور انعامات کے حقدار ہوئے۔ بلاشبہ ہر کیل کے ممبران پوری تیاری سے آئے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر کھیل کے پہلے ہی راؤنڈ میں بڑے دلچسپ مقابلے دیکھنے میں آئے۔ تعریف کے مستحق ہیں وہ ممبران جنہوں نے کھیلوں میں حصہ لیا اور اسپورٹس ڈے کے پروگرام کو کامیاب بنایا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں پوری ایگزیکیٹو کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اسپورٹس ڈے کے انعقاد میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اس پروگرام کو ایک خاص مقام دلانے میں اپنی خدمات سے نوازا۔

ہماری اسپورٹس سوسائٹی جن ممبران پر مشتمل ہے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شہزاد پرویز (سابقہ پروپیگنڈہ سکریٹری) (۲) شاہد جمال (۳) خالد مسعود

(۴) سلیم احمد (سابقہ جنرل سکریٹری) (۵) ندیم اعجاز (۶) یوسف قادری (۷) فہیم احمد۔

میں ان حضرات کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے شانہ بشانہ کام کر کے اسپورٹس کے انتظام کو آسان اور کامیاب بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ندیم احمد (سابقہ اسپورٹس سکریٹری) کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اسپورٹس ڈے میں بروقت ٹی وی فراہم کر کے پاکستان اور آسٹریلیا کے مابین ہاکی کے فائنل کو دکھا کر پروگرام کو رنگین بنا دیا۔

اِس سال کے انعام یافتگان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :-

کھیلوں کے نام	اوّل	دوئم	سوئم
ٹیبل ٹینس	محمد شعیب قادری	محمد یوسف قادری	خالد مسعود
بیڈمنٹن	شہزاد پرویز	شاہد جمال	اقبال احمد (اسپورٹس سکریٹری)
کیرم بورڈ	کامران عادل	محمد یوسف قادری	ندیم اعجاز
شطرنج	فاروق صاحب	شمیم صاحب	محمد طارق
ڈرانٹ	ہمایوں نبی	ندیم اعجاز	محمد طارق
جیولن تھرو	جاوید اقبال لقمانی	فہیم احمد	سلیم احمد
شاٹ پٹ	سلیم احمد	محمد شعیب	محمد یوسف
۱۰۰ میٹر ریس	محمد عرفان	محمد یوسف قادری	فہیم احمد
سلو موٹر سائیکل	کامران عادل	سلیم احمد	محمد تسلیم
میوزیکل چیئر	محمد عمران	محمد تسلیم	کامران عادل

مندرجہ بالا نتائج کی روشنی میں کامران عادل کو سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے چیمپئن آف دی ڈے کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ بھی وہ اپنے اعزاز کو برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

اِس کے ساتھ ہی میں تمام انعام یافتگان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اسپورٹس ڈے میں اپنی صلاحیتوں کو منواتے رہیں گے۔

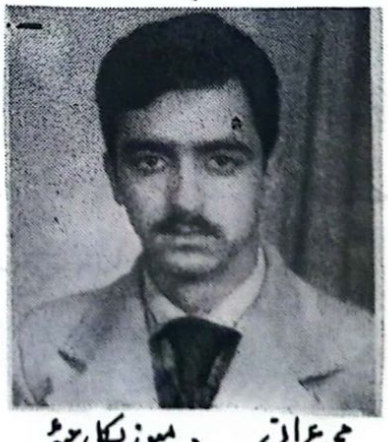

محمد عمران . میوزیکل چیئر

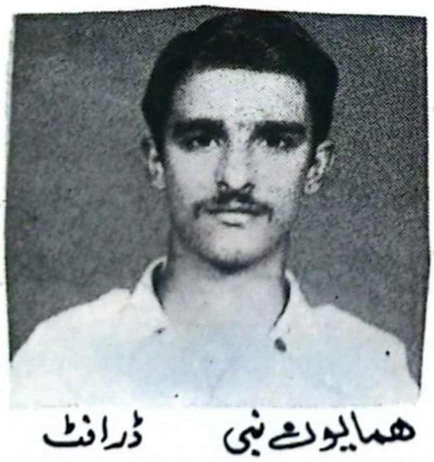

ہمایوں نبی ڈرانٹ

Scanned with CamScanner CamScanner

حیدرآباد میں حکیمانِ دھلی کوآپریٹیو سوسائٹی کا قیام

۱۹۸۲ء میں حکومت سندھ نے حیدرآباد میں ایک عظیم الشان رہائشی اسکیم "گلشنِ شھباز" کا اعلان کیا ادارہ ترقیات حیدرآباد H.D.A نے اس اسکیم میں پلاٹوں کی الاٹمنٹ کیلئے انفرادی درخواستوں کے ساتھ ساتھ ہاؤسنگ سوسائٹیز سے بھی درخواستیں طلب کیں۔ ایچ ڈی اے کا یہی اعلان محرک بنا حکیمانِ دہلی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کی تشکیل کا۔

حیدرآباد کے افراد قوم کی جنرل باڈی نے اس سلسلے میں احمد جمال اعجازی اور خلیق ذکائی پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل دی۔ چنانچہ ایک سوسائٹی بنام حکیمانِ دہلی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی رجسٹرڈ کرائی گئی اور H.D.A کے پاس زمین کے حصول کیلئے باضابطہ درخواست دی گئی۔

اب مئی ۱۹۸۵ء میں الحمدللہ سوسائٹی کو ۲۰ ایکڑ کا ایک قطعہ اراضی الاٹ کیا گیا۔ سوسائٹی کی مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے مطابق طے کیا گیا کہ ۲۴۰ مربع گز کے پلاٹ قوم کے افراد کو پیش کئے گئے اور پہلی قسط کے طور پر فی پلاٹ =/۲۴۰۰ روپے وصول کئے جائیں گے جو افراد ابھی تک ممبر نہیں بنے وہ مندرجہ بالا رقم کے علاوہ مبلغ پانچصد روپے ممبر شپ فیس بھی ادا کریں گے۔

سوسائٹی کی مجلس انتظامیہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ہے

صدر :-	حکیم مظہرالدین بقائی
نائب صدر :-	شمیم احمد چھپرے والے
جنرل سیکریٹری	خلیق ذکائی
جوائنٹ سیکریٹری	پروفیسر محمد دین صاحب
سیکریٹری مالیات	انصار حسین صاحب
رکن مجلس انتظامیہ	محمد عتیق صاحب
" " "	منظور احمد قریشی صاحب
	محمد نقی
	محمد دین ذکائی صاحب

نوٹ :- جو افراد قوم مندرجہ بالا اسکیم میں پلاٹ کے حصول میں دلچسپی رکھتے ہوں تو دوہزار نو سو روپے فی پلاٹ کے حساب سے بذریعہ چیک یا بنک ڈرافٹ حکیمانِ دہلی کوآپریٹیو سوسائٹی کے نام مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں۔

خلیق ذکائی۔ جنرل سیکریٹری حکیمانِ دہلی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی۔ بالمقابل بکھی ہاؤس فاطمہ جناح روڈ۔ حیدرآباد۔

Scanned with CamScanner CamScanner

صدور فرینڈز سرکل

۱۹۵۴ تا ۱۹۸۵ء

۱ ــــــــــ جناب محفوظ احمد بقائیؒ

۲ ــــــــــ جناب نثار احمد قدسی

۳ ــــــــــ ڈاکٹر معین الدین بقائیؒ

۴ ــــــــــ جناب عبدالحمید

۵ ــــــــــ جناب منظور حسین

۶ ــــــــــ جناب محمد عاشقین

۷ ــــــــــ جناب ڈاکٹر فرید الدین بقائیؒ

۸ ــــــــــ جناب عبدالخالق زکائیؒ

۹ ــــــــــ جناب سلطان احمد شیخ

۱۰ ــــــــــ جناب محمد مبین

۱۱ ــــــــــ جناب محمد حسین زکائیؒ

۱۲ ــــــــــ جناب مختار احمد شیخ

۱۳ ــــــــــ جناب شجاع الدین

Scanned with CamScanner